11

اسلامیات (لازمی)

ACADEMIC YEAR 2018-19

Sr. No: 08747710
Code: N285668

2018-19

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

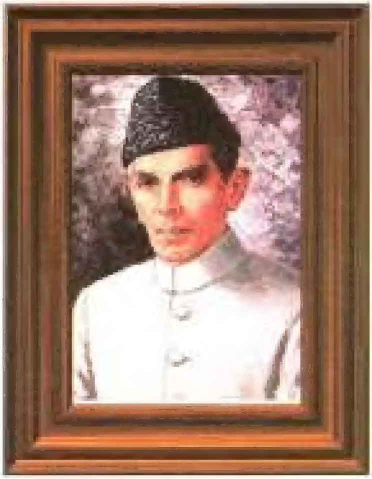

"تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔"

قائدِاعظم محمد علی جناح، بانیِ پاکستان
(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد   کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان   ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام   قوّتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت   پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال   رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال   جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

2' 85-9

جعلی کتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی درسی کتب کے سرورق پر مستطیل شکل میں ایک "حفاظتی نشان" چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونوگرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونوگرام کے نیچے موجود سفید جگہ کو کھرچنے پر "PCTB" لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے "حفاظتی نشان" پر دیے گئے کوڈ کو "8070" پر "PCTB(Space)Code No." لکھ کر SMS کریں اور انعامی سکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں "حفاظتی نشان" پر درج سیریل نمبر موصول ہو تو کتاب اصلی ہے۔ درسی کتب خریدتے وقت یہ "حفاظتی نشان" ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس میں رد و بدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

اِسلامیات (لازمی)

گیارھویں جماعت کے لیے

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور محفوظ ہیں۔
منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) اسلام آباد، پاکستان۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

باب اول — بنیادی عقائد	صفحہ نمبر
1- توحید	1
2- رسالت	7
3- ملائکہ	13
4- آسمانی کتابیں	13
5- آخرت	15
سوالات	19

باب دوم — اسلامی تشخص	صفحہ نمبر
1- ارکان اسلام	20
2- اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت	33
3- حقوق العباد	34
4- معاشرتی ذمہ داریاں	39
سوالات	48

باب سوم — اسوۂ رسول اکرم ﷺ	صفحہ نمبر
1- رحمۃ للعالمین	49
2- اخوت	51
3- مساوات	52
4- صبر و استقلال	52
5- عفو و درگزر	54
6- ذکر	54
سوالات	56

باب چہارم — تعارف قرآن و حدیث	صفحہ نمبر
1- تعارف قرآن	57
2- تعارف حدیث	64
3- منتخب آیات	68
4- منتخب احادیث	72
سوالات	74

مصنفین

پروفیسر حسن الدین ہاشمی | پروفیسر محبوب الرحمن | شیخ سعید اختر | مولانا تطہیر الحسن رضوی | عنایت علی خان | مولانا عبدالرشید نعمانی

نگران طباعت

ملک جمیل الرحمن

ناشر: صادق پبلی کیشنز لاہور — پرنٹر: غیاث الدین پرنٹرز لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
مئی 2018ء	اول	26	26,000	34.00

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب اوّل

بنیادی عقائد

لفظ عقیدہ عقد سے بنا ہے جس کے معنی ہیں باندھنا اور گرہ لگانا۔ تو عقیدہ کے معنی ہوئے باندھی ہوئی یا گرہ لگائی ہوئی چیز۔ انسان کے پختہ اور اٹل نظریات کو عقائد کہا جاتا ہے۔ اس کا ہر کام انھی نظریات کا عکس ہوتا ہے۔ یہ عقائد اس کے دل و دماغ پر حکمرانی کرتے ہیں۔ یہی اس کے اعمال کے محرک ہوتے ہیں۔

عقیدے کی مثال ایک بیج جیسی ہے اور عمل اس بیج سے اُگنے والا پودا۔ یہ ظاہر ہے کہ پودے میں وہی خصوصیات ہوں گی جو بیج میں پوشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے اپنی تبلیغ کا آغاز عقائد کی اصلاح سے کیا۔ سیدِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی جب مکہ مکرمہ میں پیغامِ رسالت پہنچانا شروع کیا تو سب سے پہلے عقائد کی اصلاح پر زور دیا۔ اسلام کے بنیادی عقائد یہ ہیں۔ توحید، رسالت، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ (سورۃ البقرہ: 177)

ترجمہ: لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب (الہامی) کتابوں اور پیغمبروں پر۔

توحید

توحید کا مفہوم:

اسلامی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ توحید کا ہے۔ توحید کے لغوی معنی ہیں ایک ماننا۔ یکتا جاننا۔ دین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ سب سے برتر و اعلیٰ اور ساری کائنات کی خالق و مالک ہستی کے واحد و یکتا ہونے پر ایمان لانا اور صرف اسی کو عبادت کے لائق سمجھنا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے سب نے لوگوں کو توحید کی تبلیغ کی اور انھیں بتایا کہ کائنات کی تمام اشیاء اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور سبھی اس کے عاجز بندے ہیں۔ اس لیے صرف اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کے احکام کو ماننا چاہیے۔

وجودِ باری تعالیٰ:

جب بھی ہم کسی بنی ہوئی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمارا ذہن اس کو بنانے والے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مکان کو دیکھیں تو معمار کا تصور آ جاتا ہے۔ گھڑی کو دیکھیں تو گھڑی ساز کا تصور آ جاتا ہے۔ کیونکہ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی مکان معمار کے بغیر یا کوئی گھڑی، گھڑی ساز کے بغیر بن سکتی ہے۔ اسی طرح جب کائنات پر غور کیا جائے تو ضرور اس کے بنانے والے کا خیال بھی آئے گا۔ کیونکہ کوئی صحیح ذہن اس بات کا

تصور نہیں کر سکتا کہ اتنا بڑا منظم و مربوط جہان کسی بنانے والے کے بغیر خود بخود بن گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (سورۃ ابراہیم:10)

ترجمہ: کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین۔

کائنات پر جب گہری نظر ڈالی جائے تو اس میں ایک نظم وضبط نظر آئے گا۔ کہیں بھی بے ترتیبی نہیں ملے گی۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ○ (سورۃ الملک:3،4)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے) جس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کر دیئے تو (اللہ) رحمٰن کی صنعت میں کوئی فتور نہ دیکھے گا۔ سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ۔ لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ درماندہ ہو کر تھک کر۔

سورج اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ اور چاند اپنے مدار میں۔ سورج چاند کے مدار میں نہیں جاتا اور چاند سورج کی طرف نہیں بڑھتا۔ اسی طرح ایک خاص وقت تک رات رہتی ہے۔ اور ایک خاص وقت تک دن۔

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ (سورۃ یٰسین:40)

ترجمہ: نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

کائنات کی ہر چیز میں ایک مقرر اندازہ اور خاص نظم وضبط پایا جاتا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (سورۃ القمر:49)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) اندازے سے پیدا کیا ہے۔

کائنات کا یہ نظم وضبط اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ایسی اعلیٰ و برتر ذات موجود ہے جس نے کائنات میں یہ خوب صورت نظام پیدا فرمایا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ (سورۃ آل عمران:190)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہل عقل کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

دن، رات، چاند، سورج اور زمین و آسمان کا نظم وضبط سب اللہ تعالیٰ کی حکمت و کاریگری کی نشانی ہے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ (سورۃ النمل:88)

ترجمہ: کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ○ (سورۃ الطور:35،36)

ترجمہ: کیا یہ لوگ بغیر کسی کے (پیدا کیے) پیدا ہو گئے ہیں۔ یا یہ کہ خود (اپنے) خالق ہیں۔
یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان میں یقین ہی نہیں۔

جس طرح زمین و آسمان اور ساری کائنات وجود باری تعالیٰ کی گواہی دیتے ہیں اسی طرح انسان کی فطرت کی آواز بھی یہی ہے۔ انسانی

تاریخ کے مطالعہ سے مہذب سے مہذب اور وحشی سے وحشی ہر طرح کی قوموں میں قادر مطلق کی ذات کا اعتراف ملتا ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والی وحشی اقوام جن کی فکری و ذہنی سطح بہت پست تھی وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اللہ کے وجود کی قائل تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ (سورۃ الروم: 30)

ترجمہ: اللہ کی اس فطرت (کا اتباع کرو) جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذاریات: 20، 21)

ترجمہ: اور زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمھاری ذات میں بھی۔ تو کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتا؟

کائنات کو بنانے والی یہ اعلیٰ و برتر ہستی صرف ایک ہی ہے۔ انسان کو صحیح سوچ اسے اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ کیونکہ اگر ایک سے زیادہ رب ہوتے تو ان کے باہمی تصادم کی وجہ سے کائنات کا یہ نظام ایک لحہ کے لیے بھی قائم نہ رہ سکتا۔

لیکن کائنات تو اپنی مربوط و منظم شکل میں موجود ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (سورۃ الانبیاء: 22)

ترجمہ: اگر ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) میں علاوہ اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا۔

ذات وصفات باری تعالیٰ

عقیدہ توحید کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں بھی اور صفات میں بھی اور صفات کے تقاضوں میں بھی یکتا تسلیم کیا جائے۔

ذات کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور حقیقت میں کوئی دوسرا فرد حصہ دار نہیں۔ لہٰذا نہ اس کی کوئی برابری کر سکتا ہے اور نہ اس کا کوئی باپ یا اولاد ہے کیونکہ باپ اور اولاد کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں کوئی شریک نہیں تو نہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۃ الاخلاص: 1-4)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

صفات باری تعالیٰ کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی صفات کاملہ کا مالک ہے جو کسی اور فرد میں موجود نہیں۔ وہ اپنے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر غرض ہر صفت میں یکتا اور بے مثل ہے۔

صفات کے تقاضوں میں یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا کیا، وہی سب کا مالک اور رازق ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ وہی سب کو دینے والا ہے۔ لہٰذا تمام مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور قدیر و علیم پروردگار کی عبادت و بندگی بجا

لائیں۔ اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔

شرک

عقیدہ توحید انسان کا سب سے پہلا عقیدہ ہے۔ شرک اور اس کی تمام اقسام بعد کی پیداوار ہیں۔ دنیا کا پہلا انسان عقیدہ توحید ہی کا قائل تھا۔ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے جو اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی تھے۔ آپؑ نے اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدہ کی تعلیم دی مگر جیسے جیسے انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگ ادھر ادھر بکھرنے لگے تو آہستہ آہستہ لوگوں نے سچی تعلیمات کو بھلا دیا اور گمراہی کا شکار ہو کر ایک اللہ بزرگ و برتر کی بجائے کئی خدا ماننے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انھیں بھی معبود بنا لیا۔ ان لوگوں نے جس چیز کو ہیبت ناک دیکھا اس سے ایسے خوفزدہ ہوئے کہ اسے دیوتا سمجھ لیا اور اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ اس طرح انھوں نے آگ کا دیوتا' سمندر کا دیوتا اور آندھیوں وغیرہ کے دیوتا گھڑ لیے۔ دوسری طرف جن چیزوں کو بہت نفع بخش پایا ان کی بھی پوجا شروع کر دی۔ گائے وغیرہ کی پوجا اسی وجہ سے شروع ہوئی۔ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے کئی پیغمبر بھیجے۔ جنھوں نے ان کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور شرک کی مذمت کی۔ قرآن مجید میں شرک کو بہت بڑا ظلم کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (سورۃ لقمٰن: 13)

ترجمہ: بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (سورۃ النساء: 48)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (یہ بات) معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا۔

شرک کے لغوی معنی "حصہ داری" اور "ساجھے پن" کے ہیں۔ دین کی اصطلاح میں شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات' یا صفات' یا صفات کے تقاضوں میں کسی اور کو اس کا حصہ دار اور ساجھی ٹھہرانا۔ اس طرح شرک کی تین اقسام ہیں:

1۔ ذات میں شرک

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں کسی دوسرے کو حصہ دار سمجھنا۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے میں یہی حقیقت مان کر اسے اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور برابر سمجھنا اور دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی اولاد سمجھنا یا کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد سمجھنا۔ کیونکہ والد اور اولاد کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جس طرح دو خداؤں یا تین خداؤں کو ماننا شرک ہے اسی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا بیٹی سمجھنا بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (سورۃ الاخلاص: 3،4)

ترجمہ: نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

2۔ صفات میں شرک

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسی صفات کسی دوسرے میں ماننا اور اس جیسا علم' قدرت یا ارادہ کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا' کسی

دوسرے کو ازلی وابدی سمجھنا یا کسی دوسرے کو قادرِ مطلق تصور کرنا' یہ سب شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ (سورۃ الشوریٰ:11) ترجمہ: کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

کیونکہ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ جس میں جو صفت بھی پائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ذاتی ہیں کسی کی عطا کردہ نہیں۔

3۔صفات کے تقاضوں میں شرک

اللہ تعالیٰ عظیم صفات کا مالک ہے۔ ان صفات کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کے سامنے پیشانیاں جھکائی جائیں۔ حقیقی اطاعت ومحبت کا صرف اسی کو حق دار سمجھا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ وہی کارساز ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے قوانین کے مقابلے میں کسی کا قانون کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (سورۃ بنی اسرآئیل:23)

ترجمہ: تم صرف اسی کی عبادت کیا کرو۔

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ (سورۃ البقرۃ:163)

ترجمہ: اور تمھارا معبود ایک اللہ ہے۔ بجز اس کے کوئی معبود نہیں ہے۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ○ (سورۃ المائدۃ:44)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ (سورۃ یوسف:40)

ترجمہ: حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ہی منعم حقیقی سمجھا جائے اور خلوص دل سے اس کا شکر بجالایا جائے۔ یہ شکر صرف یہی نہیں کہ زبان سے "یا اللہ تیرا شکر ہے" کہہ دیا جائے بلکہ اس کی حقیقی صورت یہ ہے کہ اپنی عبادت وبندگی کا رخ صرف اللہ کی ذات کی طرف پھیر دیا جائے اور غیر اللہ کی عبادت وبندگی کا اپنی عملی زندگی میں کوئی شائبہ تک نہ رہنے دیا جائے۔

ہمیں اس بات کا خوب خیال رکھنا چاہیے کہ شرک صرف یہی نہیں کہ پتھر یا لکڑی کے بت بنا کر ان کی پوجا کی جائے بلکہ یہ بھی شرک ہے کہ ہر چھوٹی بڑی حاجت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے لو لگائی جائے۔ ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی کو قادرِ مطلق اور مسبب الاسباب سمجھ کر اسی کے فضل وکرم سے اپنی مجبوریوں کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ بے شمار مسلمان ایسے ملتے ہیں جو زبانی طور پر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں' لیکن عملاً اپنی اولاد' روزگار' صحت اور دیگر مسائل کو انسانوں کے سامنے اُسی عاجزی اور امید سے پیش کرتے ہیں جس کا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ حق دار ہے۔

انسان کی اس کمزوری کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ یُنْصَرُوْنَ ○ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ○ (سورۃ یٰسٓ: 74،75)

ترجمہ: اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کو کہ شاید ان کی مدد کریں۔ نہ کر سکیں گے ان کی مدد اور وہ ان کے حق میں ایک فریق ہو جائیں گے لا حاضر کیے ہوئے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ (سورۃ الملک: 21)

ترجمہ: بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر اللہ اپنی روزی بند کرے؟

انسانی زندگی پر عقیدۂ توحید کے اثرات:

عقیدۂ توحید سے انسان کے فکر و عمل اور شخصیت میں نمایاں اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ عزتِ نفس:

عقیدۂ توحید انسان کو عزتِ نفس عطا کرتا ہے۔ انسان جب یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہی قادرِ مطلق ہے تو اس عقیدہ کی روشنی میں انسان صرف اللہ ہی کے سامنے جھکتا ہے اور اسی سے ڈرتا ہے۔ اب اس کی پیشانی انسانوں یا پتھر کی بے جان مورتیوں کے سامنے جھکنے کی ذلت سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

2۔ انکسار:

عقیدۂ توحید سے تواضع و انکسار پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ توحید کا پرستار جانتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے بے بس ہے اس کے پاس جو کچھ ہے سب اس کا دیا ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ دینے پر قادر ہے وہ چھین لینے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا بندے کے لیے تکبر و غرور کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسے تواضع و انکسار ہی زیب دیتا ہے۔

3۔ وسعتِ نظر:

عقیدۂ توحید کا قائل تنگ نظر نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس رحمٰن و رحیم پر ایمان رکھتا ہے جو کائنات کی ہر چیز کا خالق اور سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کی رحمتوں سے سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ اس عقیدے کے نتیجے میں مومن کی ہمدردی، محبت اور خدمت عالمگیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ ساری خلقِ خدا کی بہتری اور بھلائی کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے۔

4۔ استقامت اور بہادری:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے استقامت اور بہادری پیدا ہوتی ہے۔ مومن جانتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اس کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو سب پر قدرت حاصل ہے۔ لہٰذا اسی کے سامنے جھکنا چاہیے اور اسی سے ڈرنا چاہیے۔ اس عقیدے کے ذریعے مومن

کے دل سے دوسروں کا خوف نکل جاتا ہے اور وہ استقامت و بہادری کی تصویر بن جاتا ہے۔ اور کسی بڑے سے بڑے فرعون کا خوف اپنے دل میں نہیں لاتا۔ خواہ بدر و احد کے غزوات ہوں یا حنین و خندق کے' وہ ہر جگہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمزدہ ہوتے ہیں) کا پیکر بن جاتا ہے۔

5۔ رجائیت اور اطمینانِ قلب:

عقیدہ توحید کا ماننے والا مایوس اور نا امید نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت پر آس لگائے رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ وہ تمام خزانوں کا مالک ہے اور اس کا فضل و کرم بے حد و حساب ہے۔ انسان جس قدر دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے اس کے دل کو اتنا ہی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

6۔ پرہیزگاری:

عقیدہ توحید سے انسان کے دل میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر مومن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اگر بندہ پوشیدگی میں کوئی جرم کرے تو ممکن ہے لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جائے مگر اپنے اللہ کی نظر سے نہیں چھپ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو دلوں کے ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ یہ ایمان انسان میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ "خلوت وجلوت میں کہیں بھی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور ہمیشہ نیک اعمال بجا لائے" کیونکہ معاشرہ اسی وقت صحیح معنوں میں انسانی معاشرہ بن سکتا ہے جب لوگوں کے اعمال درست ہوں۔ توحید پر ایمان، عملِ صالح کی بنیاد فراہم کرتا ہے کیونکہ انسان کے تمام اعمال اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر دل میں ایمان کی روشنی موجود ہو تو عملِ صالح ہوگا۔

نجات و فلاح کے لیے ایمان اور عملِ صالح دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جا بجا ارشاد ہوا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے) جس طرح کوئی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ایمان کی پہچان عملِ صالح سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس کے اعمال اچھے نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ ایمان نے اس کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح جگہ نہیں بنائی۔ غرضیکہ عقیدہ توحید اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نیک اعمال بجا لائے جائیں اور برے اعمال سے بچا جائے۔

رسالت

رسالت کا مفہوم

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ رسالت کے لغوی معنی "پیغام پہنچانا" ہیں اور پیغام پہنچانے والے کو رسول کہا جاتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں رسول اس ہستی کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔ رسول کو نبی بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کے معنی ہیں "خبر دینے والا" چونکہ رسول لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے آگاہ کرتا ہے اس لیے اسے نبی بھی کہا جاتا ہے۔ انبیاء اور رسول اپنے معاشرہ کے بے حد نیک اور پارسا انسان ہوتے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے احکام نازل فرماتا ہے۔ وحی کے لغوی معنی دل میں چپکے سے کوئی بات ڈالنا اور اشارہ کرنے کے ہیں۔ اور اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو اس نے اپنے کسی رسول کی طرف فرشتے کے ذریعے نازل کیا یا براہِ راست اس کے دل میں ڈال دیا یا کسی

پردے کے پیچھے سے اسے سنوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط (سورۃ الشوریٰ:51)

ترجمہ: اور یہ کسی بشر کا مقام نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی پردے کے پیچھے سے
یا کسی (فرشتے) قاصد کو بھیج دے سو وہ وحی پہنچا دے اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مختلف اقوام کی طرف رسول بھیجے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (سورۃ النحل: 36)

ترجمہ: اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول۔

بعض روایات میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ مگر قرآن مجید میں نام لے کر صرف چند انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام کے نام نہیں بیان کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ط (سورۃ المؤمن:78)

ترجمہ: اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے۔ جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا ہے
اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا۔

سلسلہ انبیا کے آخری فرد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو خاتم النبیین ہیں اور اب قیامت تک کے انسانوں کو آپ ﷺ ہی کی پیروی کرنی ہے۔ تاہم ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ تمام انبیا کی نبوت پر ایمان لائے۔ اس سلسلے میں تفریق کی اجازت نہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف (سورۃ البقرۃ:285)

ترجمہ: ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے۔

یہ ضروری ہے کہ سب انبیاء کو سچا اور پاکباز مانا جائے اور سب کا ادب و احترام کیا جائے۔ اسلام میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ بعض رسولوں پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔ ایسا کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ (سورۃ النساء: 150،151)

ترجمہ: جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں
کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ۔ ایسے ہی لوگ تو اصل کافر ہیں۔

انبیا و رسل کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں ہی میں سے رسول بھیجے کیونکہ انسان کی رہنمائی کے لیے انسان ہی رسول ہو سکتا ہے۔ پیغام الٰہی کو نبی ﷺ پر نازل کرنے کی حکمت مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ ہو:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (سورۃ النحل:44)

ترجمہ: اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے۔

حضورﷺ کو خود اپنی زندگی میں قرآنی اصولوں پر مبنی ایک عملی مظاہرہ کرنا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ آپ آ کر پیغام سنا دیتے۔ بلکہ اس پیغام کے مطابق انسانی زندگی کی اصلاح بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔ پیغام الٰہی فرشتوں کے ذریعے بھی بھیجا جاسکتا تھا۔ مگر محض پیغام بھیجنے سے مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس عظیم مقصد کی تکمیل وتعمیل کے لیے لازمی تھا کہ اس پیغام کو بنی نوع انسان ہی کا ایک فرد لے کر آئے جو کہ انسان کامل ہونے کے باوجود بہر حال انسان اور بشر ہو۔ اس کو مشکلات اور مجبوریوں کا اسی طرح سامنا کرنا پڑتا ہو جس طرح اس کی امت کے کسی فرد کو اور جو ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا اجتماعی نظام اسی پیغام الٰہی کی منشا کی شرح ہو۔

انبیاء کی خصوصیات

انبیاء کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ بشریت:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہبری کے لیے ہمیشہ کسی انسان کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا۔ کسی جن یا فرشتے کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ (سورۃ یوسف:109)

ترجمہ: اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے ہم ان کی طرف وحی کیا کرتے تھے۔

انبیاء اگرچہ انسان ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے اوصاف سے نوازا ہوتا ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتے۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ انسان پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ پیغمبر تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (سورۃ بنی اسرائیل:95)

ترجمہ: کہہ دیں اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے (اور) بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر۔

2۔ امانت اور وہبیت: ہر نبی امانت دار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک من وعن پہنچا دیتا ہے۔ رسالت ایک ایسی نعمت ہے جو محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ کوئی شخص اپنی محنت و کاوش سے اسے حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو محض عبادت و ریاضت سے حاصل ہو جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا کر دے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (سورۃ الجمعہ:4)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے دے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

تاہم یہ منصب جن لوگوں کو عطا کیا گیا وہ تمام نیکی، تقویٰ، ذہانت، امانت و دیانت اور عزم وہمت جیسی بلند صفات کے مالک تھے۔

3۔ تبلیغ احکام الٰہی:

پیغمبر جو احکام و تعلیمات لوگوں کے سامنے بیان فرماتا ہے وہ تمام اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پیغمبر اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ وہ تو

اللہ تعالیٰ کا ترجمان ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (سورۃ النجم: 4-3)

ترجمہ: اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

4۔ معصومیت:

اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کے اقوال اور اعمال شیطان کے عمل دخل سے محفوظ ہوتے ہیں۔ نبی کا کردار بے داغ ہوتا ہے۔ وہ ایسا انسان کامل ہوتا ہے۔ جو بے حد روحانی طاقت کا مالک ہوتا ہے۔ نبی کا کوئی کام نفسانی خواہشات کے تابع نہیں ہوتا۔

5۔ واجب الاطاعت ہونا:

انبیاء کی اطاعت و پیروی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ (سورۃ النساء: 64)

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ اس کی اطاعت اللہ کے حکم سے کی جائے۔

نبی اللہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر کتاب اللہ کا شارح ہوتا ہے۔ امت کا معلم اور مربی ہوتا ہے۔ امت کے لیے نمونہ تقلید ہوتا ہے۔ قانون الٰہی کا شارح ہوتا ہے، قاضی اور حَکَم ہوتا ہے۔

رسالت محمدی ﷺ اور اُس کی خصوصیات

حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آ کر اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے نبی آخر الزمان ﷺ کی ذات میں وہ تمام شامل کر دیے۔ رسالت محمدی بڑی نمایاں خصوصیات رکھتی ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ عمومیت:

رسول اکرم ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کی نبوت کسی خاص قوم یا ملک کے لیے ہوتی تھی مگر آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (سورۃ الاعراف: 158)

ترجمہ: (اے محمدؐ) آپ کہو اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

2۔ پہلی شریعتوں کا نسخ:

حضور ﷺ کی شریعت نے آپ ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اب صرف شریعت محمدی ﷺ پر عمل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران: 85)

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

3۔ کاملیت:

حضور ﷺ پر اللہ کے دین کی تکمیل ہوگئی۔ آپ ﷺ کو وہ دینِ کامل عطا فرمایا گیا جو تمام انسانیت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کسی دوسرے دین کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (سورۃ المائدہ 5:3)

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا تمھارے لیے دین تمھارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے اسلام کو دین۔

4۔ حفاظتِ کتاب:

پہلے انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں یا تو بالکل ناپید ہو چکی ہیں یا اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہیں۔ کیونکہ ان میں بڑے پیمانے پر ردّوبدل ہو چکا ہے۔ جس سے ان کتابوں میں صحیح اور غلط تعلیمات اس قدر گڈمڈ ہو گئی ہیں کہ صحیح کو غلط سے جدا کرنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ مگر خاتم الرسل ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کی آیات چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بالکل اسی صورت میں موجود ہیں جس طرح نازل ہوئی تھیں۔ اس کے ایک حرف میں بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نہ صرف یہ کہ تحریری طور پر محفوظ ہے بلکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں بھی موجود ہے۔

5۔ سنتِ نبوی ﷺ کی حفاظت:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کی سنت کی حفاظت کا بھی عظیم انتظام کیا گیا ہے۔ ہر دور میں محدثین کرام کی ایسی جماعت موجود رہی جس نے سنتِ نبوی کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ چونکہ سنت، قرآن مجید کی شرح ہے جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام کیا، ساتھ ساتھ سنتِ نبوی کی حفاظت کا انتظام بھی فرما دیا۔

6۔ جامعیت:

پہلے انبیاء کی رسالت کسی خاص قوم اور دور کے لیے ہوتی تھی۔ اس لیے ان کی تعلیمات کا تعلق اسی قوم اور دور سے ہوتا تھا۔ مگر رسول اکرم ﷺ چونکہ تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے رسول بن کر آئے اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات میں اس قدر جامعیت ہے کہ قیامت تک کے انسان خواہ کسی بھی قوم یا دور سے تعلق رکھتے ہوں ان تعلیمات سے رہبری حاصل کر سکتے ہیں۔

7۔ ہمہ گیری:

رسول اکرم ﷺ نے جو تعلیمات پیش فرمائیں ان کی حیثیت محض نظری نہیں بلکہ خود ان پر عمل کر کے انھیں عملی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ جب آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عائلی زندگی ہو یا سیاسی، بچوں سے برتاؤ ہو یا بڑوں سے معاملہ، امن کا دور ہو یا جنگ کا زمانہ، عبادت کی رسمیں ہوں یا معاملات کی باتیں، قرابت کے تعلقات ہوں یا ہمسائیگی کے روابط، زندگی کے ہر پہلو میں سیرت محمدی ﷺ انسانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب:21)

ترجمہ: تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

8۔ ختم نبوت:

ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا اور یکے بعد دیگرے کئی انبیاء آئے۔ کچھ کے پاس اپنی علیحدہ آسمانی کتابیں اور مستقل شریعتیں تھیں اور کچھ اپنے سے پہلے انبیاء کی کتابوں اور شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ یہ سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ پر ایک جامع اور ہمیشہ رہنے والی کتاب نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو ایک کامل شریعت دی گئی۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوئی اور آپ ﷺ کی شریعت نے پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب کسی قسم کا کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا کیونکہ:

1۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور قیامت تک ہر قوم اور ہر دور کے انسانوں کے لیے آپ ﷺ کی رسالت عام ہے اور سب کے لیے آپ ﷺ کی تعلیم کافی ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر دین مکمل کر دیا۔ آپ ﷺ کی شریعت کامل ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہدایت کی مکمل ترین شکل ہیں۔ اس لیے اب کسی دوسرے نبی کی کوئی ضرورت نہیں۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل کردہ کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ کتاب چودہ سو سال گزرنے کے باوجود اس شان سے محفوظ ہے کہ اس کے ایک حرف میں بھی کوئی رد و بدل نہیں ہو سکا۔ اس کتاب کا ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ کاغذ کے صفحات پر بھی اور حفاظ کے سینوں میں بھی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہیں جو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آ سکتا۔ اب ہر طالب ہدایت پر لازم ہے کہ حضرت خاتم المرسلین ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ ہی کے بتائے ہوئے طریقے پر چلے۔

عقیدۂ ختم نبوت قرآن و حدیث اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ (سورۃ الاحزاب:40)

ترجمہ: محمد (ﷺ) باپ نہیں کسی کے تمھارے مردوں میں سے لیکن اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں۔

عربی زبان میں ختم کے معنی ہیں۔ مہر لگانا، بند کرنا، آخر تک پہنچنا۔ کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ تمام مفسرین نے اس آیت کریمہ میں خاتم کے معنی آخری نبی کے بیان کیے ہیں۔ حدیث مبارک میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب ایک نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ ایک اور حدیث میں آتا ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا "میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کنارے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور وہ اینٹ میں ہوں۔"

تمام صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع تھا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف جہاد کیا۔

ملائکہ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کا واحد "ملک" ہے۔ جس کے لغوی معنی قاصد کے ہیں۔ فرشتوں کے لیے لفظ رسول بھی استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے لغوی معنی بھی قاصد کے ہیں چونکہ فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان پیغام رسانی کا فرض ادا کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو ملک اور رسول کہا جاتا ہے۔ توحید و رسالت کی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ (سورۃ البقرۃ: 177)

ترجمہ: لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں اور پیغمبروں پر۔

فرشتے اللہ کی وہ نوری مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دنیا کا نظام چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا حکم ان کے دل میں القاء فرماتا ہے اور وہ اس حکم کو مخلوق میں جاری اور نافذ کر دیتے ہیں۔

آسمانی کتابیں

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے۔ رسولوں پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مانا جائے اور ان کی تعلیمات کو برحق تسلیم کیا جائے۔ رسولوں پر نازل ہونے والی کتابیں ربانی تعلیمات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا رسولوں پر ایمان لانے کے لیے لازم ہے کہ ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے۔ ایمان والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ (سورۃ البقرۃ: 4)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے۔

آسمانی کتابیں تو بہت سی ہیں جن میں سے چار بہت مشہور ہیں:

1۔ توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

2۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

3۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

4۔ قرآن مجید جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

ان کے علاوہ حضرت آدم و حضرت ابراہیم علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کے صحیفے بھی تھے۔ ان تمام کتابوں میں دین کی بنیادی باتیں مشترک تھیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات کاملہ، اللہ تعالیٰ کی عبادت، رسالت پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان اور اعمال کی جزا و سزا۔ اگر چونکہ

ہر دور میں وقت کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اس لیے شریعت کے تفصیلی قوانین ان کتابوں میں جدا جدا تھے۔ بعد میں آنے والی کتابوں نے پہلی کتابوں کے تفصیلی قوانین کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح قرآن نے جو کہ سب کتابوں کے بعد نازل ہوا پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا' اور اب صرف قرآن کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل کرنا لازم ہے پچھلی کتابوں کے بتائے ہوئے قوانین پر نہیں۔ پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا اب مطلب یہ ہے کہ وہ بھی سچی کتابیں تھیں اور ان کے بیان کردہ قوانین پر ان کے زمانے میں عمل کرنا ضروری تھا مگر اب صرف قرآنی ہدایات ہی پر عمل کیا جائے گا۔

قرآنِ مجید کی اہم خصوصیات

قرآن مجید کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ آخری آسمانی کتاب:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے یہ سرچشمۂ ہدایت ہے۔

2۔ محفوظ کتاب:

چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے ہر دور اور ہر قوم کے انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خاص وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (سورۃ الحجر: 9)

ترجمہ: ہم نے خود اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قرآن مجید کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تحریف (رد و بدل) سے محفوظ ہو گیا ہے۔ جب کہ دوسری آسمانی کتابوں میں بڑا رد و بدل ہو چکا ہے۔ ان کا بہت سا حصہ ضائع ہو چکا ہے' اور جو باقی بچا اس میں بھی لوگوں نے اپنی طرف سے کئی باتیں شامل کر دیں۔ اب یہ کتابیں کہیں بھی اپنی اصلی شکل میں دستیاب نہیں۔ جب کہ قرآن مجید اپنی خالص شکل میں اب بھی موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔

3۔ زندہ زبان والی الہامی کتاب:

قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ آج بھی دنیا کے بیس سے زیادہ ممالک کی قومی زبان عربی ہے اور یہ زبان دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ جب کہ پہلی آسمانی کتابیں جن زبانوں میں نازل ہوئیں وہ مردہ ہو چکی ہیں اور ان کو سمجھنے والے بہت ہی کم لوگ ہیں۔

4۔ عالمگیر کتاب:

باقی آسمانی کتابوں کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ صرف کسی ایک خاص ملک یا خاص قوم کے لوگوں کے لیے تھیں۔ مگر قرآن مجید تمام انسانیت کے لیے پیغامِ ہدایت ہے۔ یہ کلامِ پاک يَا أَيُّهَا النَّاسُ (اے لوگو) کا خطاب کر کے تمام انسانوں کو

ہدایت کا پیغام دیتا ہے۔ یہ ایک عالمگیر کتاب ہے جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر ملک میں قابل عمل ہیں۔

اس کتاب کی تعلیمات فطری ہیں اس لیے کہ ہر دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے یہ اسی کے دور کے لیے نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیمات ہر قوم و ملک اور ہر طرح کے ماحول میں بسنے والے افراد کے لیے یکساں طور پر نفع بخش ہیں اور انسانی عقل کے عین مطابق ہیں۔

5۔ جامع کتاب:

پہلی آسمانی کتابوں میں سے کچھ کتابیں صرف اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں۔ بعض صرف مناجات اور دعاؤں کا مجموعہ تھیں۔ کچھ صرف فقہی مسائل کا مجموعہ تھیں۔ بعض میں صرف عقائد کا بیان تھا اور بعض صرف تاریخی واقعات کا مجموعہ تھیں۔ مگر قرآن مجید ایسی جامع کتاب ہے جس میں ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں عقائد و اعمال کا بیان بھی ہے' اخلاق و روحانیت کا درس بھی ہے' تاریخی واقعات بھی ہیں اور مناجات بھی۔ غرضیکہ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتی ہے۔

6۔ عقل و تہذیب کی تائید کرنے والی کتاب:

پہلی آسمانی کتابوں میں سے بعض کتابیں ایسی باتوں پر مشتمل ہیں جو حقیقت کے خلاف ہیں بلکہ بعض کتابوں میں انتہائی ناشائستہ' غیر اخلاقی باتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ (ظاہر ہے یہ باتیں جعلی ہیں جو کسی نے اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں) جب کہ قرآن مجید ایسی تمام باتوں سے پاک ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو خلاف عقل ہو اور جسے تجربہ اور دلیل سے غلط ثابت کیا جا سکے۔ اس میں کوئی غیر اخلاقی بات نہیں۔ اس نے تمام انبیاء کا ادب و احترام سکھایا اور سب کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ نیکوکار اور پرہیزگار لوگ تھے۔ ان کی شان کے خلاف جتنی بھی باتیں کہی گئی ہیں سب جھوٹ اور خلاف واقعہ ہیں۔

7۔ کتاب اعجاز:

قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا وہ شاہکار ہے جس کا مقابلہ کرنے سے عرب و عجم کے تمام فصیح و بلیغ لوگ عاجز رہے۔ قرآن مجید میں سب مخالفوں کو دعوت دی گئی ہے کہ ایک چھوٹی سی قرآنی سورت کے مقابلے میں کوئی سورت بنا لاؤ مگر کوئی بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی بندے کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ پھر کوئی بشر اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟ یہی اس کتاب کا اعجاز ہے۔

عقیدۂ آخرت

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدۂ آخرت بھی ہے۔

مفہوم:

لفظ "آخرت" کے معنی بعد میں ہونے والی چیز کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں لفظ "دنیا" ہے جس کے معنی قریب کی چیز کے ہیں۔

عقیدۂ آخرت کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ اس کی روح کو جسم میں منتقل کر کے اسے دوبارہ زندہ کر دے گا اور پھر انسان کو اس کے نیک و بد اعمال کا حقیقی بدلہ دیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو ایک ایسی جگہ عنایت کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرپور ہو گی۔ اس کا نام جنت ہے اور برے لوگ ایک انتہائی اذیت ناک جگہ میں رہیں گے جس کا نام جہنم ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝ (سورۃ انفطار: 13،14)

ترجمہ: بے شک نیک لوگ بہشت میں ہیں۔ اور بے شک گناہ گار دوزخ میں ہیں۔

آخرت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ انسان کی دنیاوی زندگی اس کی آخرت کی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ انسان کے تمام اعمال کے پورے پورے نتائج اس عارضی زندگی میں مرتب نہیں ہوتے۔ بلکہ اس عارضی زندگی میں جن اعمال کا بیج بویا جاتا ہے ان کے حقیقی نتائج آخرت کی زندگی میں ظاہر ہوں گے۔

2۔ جس طرح دنیا کی ہر چیز علیحدہ علیحدہ اپنی ایک عمر رکھتی ہے جس کے ختم ہوتے ہی وہ چیز ختم ہو جاتی ہے اسی طرح پورے نظام عالم کی بھی ایک عمر ہے جس کے تمام ہوتے ہی یہ نظام ختم ہو جائے گا اور ایک دوسرا نظام اس کی جگہ لے لے گا۔

3۔ جب دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا اور ایک دوسرا نظام قائم ہو گا تو انسان کو پھر جسمانی زندگی ملے گی۔ اس روز ایک زبردست عدالت لگے گی جس میں انسان کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اسے نیک اعمال کی جزا ملے گی اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔

منکرین آخرت کے شبہات اور ان کا قرآنی جواب:

قرآن مجید میں عقیدۂ آخرت کو بیان کرتے ہوئے منکرین کے شبہات کا بڑے عمدہ انداز میں جواب دیا گیا ہے۔

مشرکین مکہ عقیدۂ آخرت کے منکر تھے۔ اس سلسلے میں ان کے شبہات یہ تھے۔

وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ (سورۃ السجدۃ: 10)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوں گے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے۔

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ (سورۃ یٰس: 78)

ترجمہ: کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ (سورۃ الانعام: 29)

ترجمہ: ہمارے لیے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہات کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔ تم پہلے موجود نہ تھے۔ تمھیں اللہ نے موجود کیا۔ جو قادر مطلق تمھیں پہلے موجود کرنے پر قادر ہے وہ تمھارے مر جانے کے بعد تمھیں دوبارہ زندگی بخشنے پر بھی قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (سورۃ الروم: 27)

ترجمہ: اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ (سورۃ یٰس: 79)

ترجمہ: (تم) کہو کہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔

كُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (سورۃ البقرۃ: 28)

ترجمہ: حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان کی صحیح سوچ اس سے عقیدۂ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کرتی ہے۔ ہر شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نیک عمل کا اچھا صلہ اور برے عمل کا برا بدلہ ہوتا ہے۔ لیکن کیا انسان کے تمام اعمال کے نتائج اس دنیاوی زندگی میں سامنے آجاتے ہیں؟ ایسا نہیں ہوتا' بلکہ بعض اوقات ایک ایسا شخص جس نے پوری زندگی گناہوں میں گذاری ہو اس جہان میں سزا سے بچا رہتا ہے۔ اسی طرح بعض بے حد نیک لوگ جو عمر بھر نیکیاں کرتے رہے انھیں یہاں نیکی کا پورا بدلہ نہ ملا بلکہ بعض کو تو بے حد اذیتیں دے کر شہید کر دیا گیا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا مجرموں کو ان کے جرائم کی سزا کبھی نہیں ملے گی؟ کیا نیکوکار اچھے اجر سے محروم رہیں گے؟ کیا خدا کا نظامِ عدل ان کے بارے میں ہمیشہ کے لیے خاموش رہے گا؟ کیا اشرف المخلوقات انسان کو عبث پیدا کیا گیا اور اس کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں؟

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ○ (سورۃ المومنون: 115)

ترجمہ: سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا بے مقصد اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے۔

جب عقل اس پہلو پر سوچتی ہے تو یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ آخرت کی زندگی برحق ہے جس میں سب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ ملے گا اور مجرموں کو سخت سزا ملے گی۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

اسلام میں عقیدۂ آخرت کی اہمیت:

آخرت پر ایمان رکھنا اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے۔ قرآن مجید میں اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ میں مُتَّقِیْن کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (سورۃ البقرہ: 4) ترجمہ: اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اگر آخرت پر ایمان نہ ہو تو انسان خود غرضی اور نفس پرستی میں ڈوب کر تہذیب و شرافت اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو یکسر بھول جائے اور انسانی معاشرے میں جنگل کا قانون رائج ہو جائے۔

عقیدۂ آخرت انسانی معاشرہ کو انسانیت افروز بنانے کا اہم ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس سے انسان کے دل میں نیکی پر جزا اور بدی پر سزا کا احساس ابھرتا ہے جو اعمال میں صالحیت پیدا کر دیتا ہے۔

جو شخص آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتا ہے اس کی نظر اپنے اعمال کے صرف ان ہی نتائج پر نہیں ہوتی جو اس زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ ان نتائج پر بھی نظر رکھتا ہے جو آخرت کی زندگی میں ظاہر ہوں گے اسے جس طرح زہر کے بارے میں ہلاک کرنے اور آگ کے بارے میں جلانے کا یقین ہوتا ہے اسی طرح گناہوں کے ہلاکت خیز ہونے کا بھی یقین ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح وہ غذا اور پانی کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہے اسی طرح نیک اعمال کو بھی اپنے لیے نجات و فلاح کا سبب سمجھتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے انسانی زندگی پر بڑے اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

1۔ نیکی سے رغبت اور بدی سے نفرت:

جو شخص آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے تمام اعمال خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اس کے نامۂ اعمال میں محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔ آخرت میں یہی نامۂ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا اور منصفِ حقیقی فیصلہ فرمائے گا۔ ان اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ایک پلڑے میں نیک اعمال اور دوسرے میں برے اعمال ہوں گے۔ اگر نیکی کا پلڑا بھاری ہوا تو کامیابی حاصل ہوگی اور جنت میں ٹھکانہ نصیب ہوگا اور اگر برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو ناکامی ہوگی اور جہنم کا دردناک عذاب چکھنا ہوگا۔

آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص برائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ ان کے نتیجے میں وہ عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسے نیکیوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے نیکی کا اجر ضرور ملے گا۔

2۔ بہادری اور سرفروشی:

ہمیشہ کے لیے مٹ جانے کا ڈر انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ مگر جب دل میں یہ یقین موجود ہو کہ اس دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ پائیدار اور دائمی زندگی آخرت کی ہے تو انسان نڈر ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے سے بھی نہیں کتراتا۔ وہ جانتا ہے کہ راہِ حق میں جان کا نذرانہ پیش کر دینے سے وہ ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ آخرت کی کامیاب اور پُرمسرت زندگی حاصل کرے گا۔ چنانچہ یہ عقیدہ مومن کے دل میں جذبۂ سرفروشی پیدا کر کے معاشرے میں امن اور نیکی کے پھیلنے کی راہیں ہموار کر دیتا ہے۔

3۔ صبر و تحمل:

عقیدۂ آخرت سے انسان کے دل میں صبر و تحمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حق کی خاطر جو بھی تکلیف برداشت کی جائے گی اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ملے گا۔ لہٰذا آخرت پر نظر رکھتے ہوئے وہ ہر مصیبت کا صبر و تحمل سے مقابلہ کرتا ہے۔

4۔ مال خرچ کرنے کا جذبہ:

عقیدۂ آخرت انسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ حقیقی زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا اسی دولت سے لگاؤ رکھنا چاہیے جو اس زندگی کو کامیاب بنائے۔ چنانچہ مومن جتنا بھی دولت مند ہو جاتا ہے اسی قدر سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کی آخرت کی زندگی سنور جائے گی۔

5۔ احساسِ ذمہ داری:

آخرت پر ایمان رکھنے سے انسان میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرنا جرم ہے۔ جس پر آخرت میں سزا ملے گی۔ لہٰذا پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض ادا کیے جائیں۔ آہستہ آہستہ یہ احساس اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کہ انسان اپنا ہر فرض پوری دیانت داری سے سرانجام دینے لگتا ہے خواہ اس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہو یا اللہ تعالیٰ کے حقوق سے۔ یہی ذمہ داری مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے۔

سوالات

1۔ اسلام کے بنیادی عقائد کون کون سے ہیں؟ ہر ایک پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ وجود باری تعالیٰ کے اثبات میں قرآنی دلائل مختصراً لکھیے۔

3۔ شرک کسے کہتے ہیں، اس کی اقسام کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

4۔ انبیاء کرام کی خصوصیات بیان کریں۔

5۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

(ا) ملائکہ (ب) آسمانی کتابیں (ج) توحید کا مفہوم

6۔ انسانی زندگی پر عقیدہ توحید کے اثرات بیان کریں۔

7۔ رسالت محمدی ﷺ کی خصوصیات تفصیل سے بیان کریں۔

8۔ قرآن مجید کی چند اہم خصوصیات لکھیں۔

9۔ آخرت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ تحریر کریں۔

10۔ منکرین آخرت کے شبہات کا جواب قرآن مجید کی روشنی میں دیجیے۔

11۔ انسانی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

12۔ عقیدۂ آخرت کا مفہوم اور اہمیت تفصیلاً بیان کیجیے۔

13۔ عقیدہ ختم نبوت کا مفہوم تحریر کریں۔

14۔ "عقیدۂ ختم نبوت قرآن، حدیث اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے" دلائل دیجیے۔

15۔ پیغام الٰہی کو نبی ﷺ پر نازل کرنے کی حکمت قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیجیے۔

☆☆☆

اسلامی تشخص

ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام سے مراد دین کے وہ بنیادی اصول و اعمال ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ" (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

کلمہ شہادت:

ارکانِ دین میں سب سے اہم کلمہ شہادت ہے جس کے الفاظ ہیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں۔

توحید کے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں چند اجمالی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کفر و شرک سے نجات:

کلمہ شہادت کا پہلا حصہ یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ عقیدہ توحید کا ہی اعلان و اعتراف ہے۔ کلمہ شہادت کا دوسرا حصہ یعنی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس امر کا اعلان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور سچے رسول ہیں اور آپ ﷺ کا پیش کردہ دین ہی دینِ حق ہے۔ ان دونوں باتوں کی گواہی دیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ گو بظاہر توحید و رسالت دو باتیں ہیں؛ لیکن دراصل دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو مان سکتا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کیے بغیر اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔ چونکہ رسول پر ایمان لانے کے مفہوم میں ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کو تسلیم کرنا شامل ہے اس بنا پر یہ ایک کلمہ پڑھ لینے سے ذہنِ انسانی کو کفر و شرک کے تمام تصورات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

حقیقی گواہی:

اللہ تعالیٰ کو معبود اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس کا آخری نبی تسلیم کر لینے سے گواہی کی ظاہری طور پر ادائیگی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس زبانی گواہی کے ساتھ ضروری ہے کہ کلمہ پڑھنے والے کا دل اس گواہی کی تصدیق کرے اور دل کی تصدیق کی عملی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ

کی اطاعت ہے۔ ایسی اطاعت کہ دل کی تمام خواہشات شریعت اسلامی کے تابع ہو جائیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ"

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

انسانی عظمت کا ضامن عقیدہ:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنے قول و عمل سے توحید و رسالت کی گواہی دی اور اپنے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں شریعت اسلامی کی کما حقہ پیروی کا اہتمام کیا تو وہ انسانی عظمت کی بلندیوں پر جا پہنچے لیکن جب یہ گواہی دلی تصدیق اور عملی اطاعت سے محروم رہ گئی' تو ہماری عزت و عظمت خاک میں مل گئی۔

نماز:

اسلام ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو چند اعتقادات ہی دے دینے پر اکتفا نہیں کرتا' بلکہ اُن کی پوری زندگی کو ان اعتقادات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے عبادات کا ایک نظام مقرر کرتا ہے۔ جو نماز' زکوۃ' روزے اور حج پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے اور سب سے اہم جزو' نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سے ایک ارشاد یہ ہے:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سورۃ الروم: 31)

ترجمہ: قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں۔

نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث' نماز کی تاکید پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ

ترجمہ: دین کی اصل بنیاد اللہ اور رسولؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ہے اور اس عمارت کا ستون نماز ہے۔

نماز کی تاکید:

نماز چونکہ دینی تربیت کا اہم ترین حصہ ہے اس لیے ہر امت پر فرض رہی ہے۔ تمام انبیاء اپنی امتوں کو نماز کی تلقین کرتے رہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ نماز قائم کرنے والے فلاح پائیں گے اور اسے ترک کرنے والے ذلت و خواری کا شکار ہوں گے۔ ایک آیت میں مذکور ہے کہ جب عذاب کے فرشتے جہنمیوں سے عذاب پانے کی وجہ دریافت کریں گے تو وہ اپنے جہنم میں پھینکے جانے کی ایک وجہ یہ بتائیں گے:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ (سورۃ المدثر: 43) ترجمہ: وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے۔

دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کو معبود تسلیم کرنے کے بعد اس کے سب سے اہم حکم نماز کی ادائیگی سے انحراف ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے سے انکار کے برابر ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (ترمذی)

ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کافرانہ روش اختیار کی۔

نماز قربِ الٰہی کا سب سے موثر وسیلہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَحَدَ کُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِی رَبَّہٗ (بخاری)

ترجمہ:۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو گویا اپنے رب سے چپکے چپکے بات چیت کرتا ہے۔

اسی اہمیت کے پیشِ نظر قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا یُسْئَلُ عَنِ الصَّلٰوۃِ ترجمہ:۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

نماز کے فوائد:

1۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کی دن میں پانچ مرتبہ حاضری اس کے دل میں یہ احساس تازہ رکھتی ہے کہ وہ اپنے اللہ کا بندہ ہے۔ بندگی کا یہ احساس متواتر نماز پڑھنے سے ایک مسلمان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔ اور اس کی پوری زندگی تعمیلِ احکام کا عملی نمونہ بن جاتی ہے۔

2۔ دن میں پانچ مرتبہ قربِ الٰہی کا احساس مسلمان کو یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ یہ کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا احساس اُسے گناہ کے کاموں سے روکتا ہے اور اس کے دل سے ہر قسم کا خوف اور غم دُور کر دیتا ہے۔

3۔ نمازوں کے درمیانی وقفے میں بھی نمازوں کے اثرات جاری و ساری رہتے ہیں۔ نماز کے بعد گناہ کا خیال آئے تو بندہ سوچتا ہے کہ ابھی تو اپنے اللہ سے دعا کر کے آیا ہوں کہ "اے اللہ مجھے گناہوں سے بچا" اور ابھی گناہ کا کام کروں گا تو کچھ دیر بعد اس کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ یہ چیز اسے مُستقلاً گناہ سے روکے رکھتی ہے۔

4۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سلسلے میں پانچ مرتبہ باہم ملنے والے افراد کے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے جس سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

5۔ نماز باجماعت سے اور بطورِ خاص جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جب مسلمان رنگ، نسل، علاقے اور طبقے کے امتیازات سے بے نیاز ہو کر شانے سے شانہ ملا کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے ان کے درمیان فکری وحدت کے ساتھ ساتھ عملی مساوات کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔

6۔ اجتماعی شکل میں انجام پانے والے اعمال کی کیفیات انفرادی اعمال کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ اسی لیے اجتماعی نماز کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔

7۔ نمازیوں کو مسجد میں آتے جاتے دیکھ کر بے نمازوں کو ترغیب و تحریص ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

8۔ نماز میں امام کا تقرر اور اس کی پیروی اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ پہنچنے والے افراد کے لیے فرمایا تھا کہ جو لوگ نماز کے لیے مسجد میں نہیں آتے اگر مجھے ان کے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کے گھروں کو آگ لگوا دیتا۔

بے رُوح نمازیں:

نماز کی ادائیگی کے مذکورہ بالا فوائد و ثمرات آج ہمیں کیوں حاصل نہیں ہوتے؟ غور فرمایئے! ہم میں سے کتنے افراد ہیں؟ جو نماز

باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں، اُس کے کلمات واوراد کے معنی ومفہوم سے آشنا ہیں، نماز میں حضوریٔ قلب سے بہرہ مند ہیں، اور نماز کے اہم ترین مقصد سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قرآن کریم میں نماز کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (سورۃ العنکبوت:45)

ترجمہ:۔ بے شک نماز روکتی ہے۔ بے حیائی اور بری بات سے۔

دراصل آج ہماری نمازیں بے حقیقت ہیں۔ ایسے ہی جیسے کوئی پھول ہو بغیر خوشبو کے یا جسم ہو بغیر روح کے۔

روزہ:

روزہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے اور قرآن حکیم کے بیان کے مطابق یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:183)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو فرض کیے گئے تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

مذکورہ بالا آیت سے جہاں روزے کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں اس کو فرض کرنے کی حکمت بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے تقویٰ کا حصول۔

تقویٰ:

تقویٰ کا مفہوم پرہیزگاری ہے۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے۔

ضبطِ نفس:

انسان کو نیکی کے راستے سے روکنے اور برائی کے راستے پر ڈالنے والی اہم چیز خواہش نفس ہے۔ خواہشات اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع رہیں تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی خوبیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن جب یہ ہدایت ربانی کے تابع نہیں رہتیں تو انسان کو حیوانی سطح سے بھی گرا دیتی ہیں۔ روزے کا اصل مقصد انسان کی خواہشات کو احکام الٰہی کے تابع کر کے اسے متقی بناتا ہے۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کر لے اسے ضبط نفس کی وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

جب ایک انسان رمضان کے پورے مہینے میں کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا اکثر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بدی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ روزہ خواہشات پر قابو پانے کی تربیت کے ساتھ ساتھ انسان کی انانیت (خود پسندی) کا بھی مؤثر علاج ہے۔ جب انسان بھوک اور پیاس کی شدت میں کھانے پینے کی چیزیں پاس ہوتے ہوئے بھی خود کو کھانے پر قادر نہیں پاتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ احساس جب دائمی کیفیت بن جائے تو اس میں ہر خلاف شریعت عمل سے رُک جانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جہاں ارشاد فرمایا ہے "ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں" وہاں یہ بھی فرمایا ہے "بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ جن کو اپنے روزوں سے بھوک اور پیاس کی اذیت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا" اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (بخاری)

ترجمہ: اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور غلط کاریوں سے نہیں بچتا تو اس کا کھانا پینا چھوڑنے سے اللہ کو کوئی دلچسپی نہیں۔

روزوں کا ثواب:

جو روزے نبی اکرم ﷺ کے قول کے مطابق ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے جائیں ان کے ثواب کا اندازہ درج ذیل حدیثوں سے ہوگا:

"كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ" (مسلم)

ترجمہ: آدمی کے ہر عمل کا ثواب (اللہ تعالیٰ کے یہاں) دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے (لیکن روزے کی تو بات ہی کچھ اور ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مگر روزہ تو خاص میرے لیے ہے اس لیے اس کا ثواب میں اپنی مرضی سے (جتنا چاہوں گا) دوں گا۔

مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ وَعِتْقُ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا (سنن ابن ماجہ۔ ترمذی)

ترجمہ: جو شخص اس (رمضان) میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا اس کے گناہوں کے لیے معافی ہے اور وہ خود کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔ اور اسے روزہ دار جتنا ہی ثواب ملے گا جبکہ اس روزہ دار کے اپنے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

روزہ کے اجتماعی فوائد:

یوں تو روزہ ایک انفرادی عبادت ہے لیکن اس کے درج ذیل فوائد بھی ہیں:

1۔ مہینہ بھر بھوکا پیاسا رہ کر انسان کو دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور دل میں ناداروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

2۔ کم سے کم غذا پر اکتفا کی عادت انسان میں قناعت و ایثار کی صفات پیدا کرتی ہے۔

3۔ ایک ہی وقت میں پوری ملتِ اسلامیہ کا ایک عبادت میں مصروف رہنا باہمی یگانگت کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رمضان کو مواخات اور غمگساری کا مہینا قرار دیا ہے۔

4۔ ایک ماہ تک دن کے بڑے حصے میں معدے کا خالی رہنا صحتِ جسمانی کے لیے مفید ہوتا ہے۔

رمضان المبارک اور قرآن حکیم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ (سورۃ البقرۃ:185)

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے۔

نزولِ قرآن کی یادگار:

اس مہینے میں روزوں کی فرضیت یہ معنی رکھتی ہے کہ انسان جب تک روزوں کے ذریعے تقویٰ حاصل نہ کرے وہ اس پاک کتاب سے جو متقیوں کے لیے ہدایت ہے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

رمضان اور پاکستان:

یوں تو رمضان المبارک پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے لیکن ہم پاکستانی مسلمانوں کے لیے اس مہینہ اور اس کی ایک مبارک شب کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں ہمیں آزادی عطا فرمائی تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو پاکستان کی تشکیل گویا اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ اس مملکت خداداد میں اسی کتاب مقدس کا نظام زندگی نافذ کیا جائے جو اس مبارک شب میں نازل ہوئی اور ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا بھی اسی غرض سے تھا کہ یہاں اسلامی نظام حیات نافذ کیا جائے۔ اس اعتبار سے رمضان المبارک تشکیل پاکستان کی سالگرہ اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے ہمارے عہد کی تجدید کا موقع بھی ہے۔

بے اثر روزے:

آج ہمارے روزوں سے وہ فیوض و برکات ظاہر نہیں ہوتے جن کا ہم اوپر کی سطور میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم روزے کے اصل مقصد تقویٰ (ضبط نفس) سے بے خبر ہیں۔ اس کی اہم شرائط ایمان اور احتساب' دونوں سے غافل ہیں۔ جس طرح ہماری نمازیں دکھاوے کی ہیں' ویسے ہی ہمارے روزے نمائشی ہیں۔

زکوٰۃ:

انسانی معاشرے کی تشکیل میں نظام معیشت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نظام معاشرت کی طرح نظام معیشت کے بھی بہترین ضابطے عطا فرمائے ہیں۔ اگر ان ضابطوں پر عمل کیا جائے تو معاشی عدل قائم رہتا ہے اور ان کو ترک کر دینے سے ناانصافی جنم لیتی ہے جو متعدد خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ادائیگی نماز کے ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نظام زکوٰۃ کی اسی حیثیت کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے باوجود یہ کہ وہ کلمہ گو تھے جہاد کیا اور فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں ان دونوں فرائض کی تعمیل میں کوئی فرق نہیں ہونے دوں گا۔

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں۔ جو انسان زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ صرف اپنے مال کو پاک کر لیتا ہے بلکہ اس کے ذریعے اپنے دل کو بھی دولت کی ہوس سے پاک کرتا ہے اور دولت کے مقابلے میں اس رب کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے جس کے حکم پر وہ دولت کو قربان کر رہا ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ اسے یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ جو دولت وہ کماتا ہے وہ حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔ یہ احساس اسے معاشی بے راہ روی سے بچاتا اور اس کے تمام اعمال کو احکام الٰہی کا تابع کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق معاشی معاملات دین کا اہم حصہ ہیں۔ جب انسان دولت جیسی نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے اس خرچ شدہ مال کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ اور وعدہ فرماتا ہے کہ بندے کا یہ قرض وہ کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝ (سورۃ التغابن: 17)

ترجمہ:۔ اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا تو وہ دو چند کرے اس کو تمھارے لیے اور تم کو بخشے اور اللہ قدردان ہے اور تحمل والا۔

اس کے مقابلے میں جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ (سورۃ التوبہ:34)

ترجمہ: اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوش خبری سنا دو عذاب دردناک کی۔

ان آیات کی رو سے زکوٰۃ کی ادائیگی انسان کے لیے آخرت کی نعمتوں کے حصول اور عذاب جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔

زکوٰۃ کے فوائد

ا۔ معاشی فوائد:

1۔ چونکہ سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت اینٹھتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس صورت حال کا بہترین حل ہے۔ اس نظام کے ذریعے دولت کا ایک دھارا امیر طبقے سے غریب طبقے کی جانب بھی مڑ جاتا ہے۔ جس سے غریب کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ (سورۃ البقرۃ:276)

ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

2۔ ادائیگی زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے صاحب مال اپنی دولت کسی نہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے لہٰذا صاحب مال یہ رقم دیگر قسم کے بھاری ٹیکسوں کے مقابلے میں خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ اور اپنا سرمایہ پوری آزادی سے کاروبار میں لگاتا ہے۔ جب کہ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے۔ جس سے ملکی معیشت کمزور ہو جاتی ہے۔

ب۔ معاشرتی فوائد:

معاشرے میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی۔ اگر یہ سارا خون صرف دل (یعنی مالدار طبقے) میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم (یعنی عوام) کو مفلوج کر دینے کے ساتھ ساتھ خود دل کے لیے بھی مضر ثابت ہوگا۔ اگر ایک طرف مفلس طبقہ ناداری کے مصائب سے دوچار ہوگا تو دوسری طرف صاحب ثروت طبقہ دولت کی فراوانی سے پیدا ہونے والے اخلاقی امراض (مثلاً عیاشی آرام کوشی اور فکر آخرت سے غفلت شعاری) کا شکار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ان دونوں طبقوں میں حسد اور حقارت کے علاوہ کوئی اور رشتہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کشیدگی بڑھتی ہی جائے گی۔ اور کسی نہ کسی بہانے ضرور رنگ لا کر رہے گی۔

ان تمام انفرادی و اجتماعی فوائد کے پیش نظر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد یہ ہدایت کی گئی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۃ التوبہ:103)

ترجمہ: ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو کہ اس سے تم ان کو پاک اور پاکیزہ کرتے ہو۔

زکوٰۃ کے مصارف:

تقسیم زکوٰۃ کی مدات بھی اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرما دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۃ التوبہ:60)

ترجمہ: زکوٰۃ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہے جو اس پر مقرر ہیں۔ نیز ان کا جن کی دل جوئی منظور ہے۔ اور زکوٰۃ کو صرف کیا جائے گا گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی امداد میں۔ یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں مصارف زکوٰۃ درج ذیل ہیں:

1۔ ان تنگ دست لوگوں کی اعانت جن کے پاس کچھ نہ ہو۔

2۔ ان لوگوں کی اعانت جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں۔

3۔ زکوٰۃ کی وصولی پر متعین عملے کی تنخواہیں۔

4۔ ان لوگوں کی اعانت جو نومسلم ہوں تا کہ ان کی تالیف قلب ہو سکے۔

5۔ غلاموں اور ان لوگوں کو آزاد کرنے کے مصارف جو قید و بند میں ہوں۔

6۔ ایسے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی جو نادار ہوں۔

7۔ جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغ دین میں جانے والوں کی اعانت میں۔

8۔ مسافر جو حالتِ سفر میں مالک نصاب نہ ہو گو اپنے گھر پر دولت رکھتا ہو۔

جب اسلامی نظام حکومت قائم ہو تو اجتماعی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا البتہ اگر کسی خطہ زمین میں مسلمان غیر اسلامی حکومت کے زیر فرمان آ جائیں تو اس صورت میں تنظیموں یا باہمی تعاون کے دوسرے اداروں کے ذریعے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب:

زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامان تجارت ہو۔ اس خاص مقدار کو "نصاب" اور ایسے لوگوں کو "صاحب نصاب" کہتے ہیں۔ مختلف اشیاء کا نصاب یہ ہے:

1۔ سونا: ساڑھے سات تولے۔

2۔ چاندی: ساڑھے باون تولے۔

3۔ روپیہ، پیسہ اور سامان تجارت: سونے چاندی دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر۔

ادائیگی زکوٰۃ کے چند اصول (مسائل):

1۔ زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی سے لی جاتی ہے۔

2۔ کسی مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت فرض ہوتی ہے جب اُسے جمع کیے ہوئے پورا ایک سال گزر چکا ہو۔

3۔ وہ عزیز و اقارب جن کی کفالت شرعاً فرض ہے، مثلاً ماں باپ بیٹا بیٹی شوہر بیوی وغیرہ انھیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ دور کے عزیز غیروں کے مقابلے میں قابلِ ترجیح ہیں۔

4۔ عام حالات میں ایک بستی کی زکوٰۃ خود اسی بستی میں تقسیم ہونی چاہیے۔ البتہ اس بستی میں مستحق زکوٰۃ کے نہ ہونے یا کسی دوسری بستی میں ہنگامی صورتِ حال مثلاً سیلاب، زلزلہ، قحط وغیرہ کے مواقع پر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

5۔ زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ لینے والے کے مستحق زکوٰۃ ہونے کا ممکن حد تک اطمینان کرلیں۔

6۔ زکوٰۃ کی رقم سے ضرورت کی اشیا بھی خرید کر دی جاسکتی ہیں۔

7۔ مستحق زکوٰۃ کو بتانا بھی ضروری نہیں کہ یہ پیسہ یا مال زکوٰۃ کا ہے۔

الحمدللہ! ہمارے ملک میں نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ ہو چکا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی کامیابی کے لیے ہر ممکن تعاون کریں تاکہ اس کی برکت سے ہمارا معاشرہ دنیا کے لیے مشعلِ راہ بن سکے۔

زکوٰۃ کے جملہ فوائد و ثمرات تب ہی ظاہر ہو سکتے ہیں جب ہر صاحبِ مال اللہ جل شانہٗ کی خوشنودی کو اپنا لائحہ عمل بنائے اور اسلام کے فیض رسانی اور نفع بخشی کے جذبہ کو ملحوظِ خاطر رکھے۔ خصوصاً زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام اجتماعی طور پر قائم و دائم ہو۔

حج

ارکانِ اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ سے بخوبی ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ۝ (سورۃ آلِ عمران: 97)

ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

مراد یہ ہے کہ یہ جامع عبادت اللہ تعالیٰ کی خاطر فرض کی گئی ہے۔ اور اس کا اپنے بندوں پر یہ حق بھی ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی غرض وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کے ذریعے بندوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ ادائیگیِ حج کا سب سے بڑا فائدہ گناہوں کی بخشش ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ (بخاری)

ترجمہ:۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دورانِ حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

اپنے گناہ گار بندوں کو دنیا ہی میں پاک صاف کر دینے کا یہ انتظام جہاں اللہ تعالیٰ کے کرم کی دلیل ہے وہیں اس سے فائدہ نہ اٹھانا حد

درجہ کی ناشکری اور بدبختی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ تَمْنَعْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ
فَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا

ترجمہ: جس (صاحب استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت حج سے روک رہی ہو نہ کوئی ظالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اسے لاحق ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو وہ ایک مسلمان کی نہیں کسی یہودی یا نصرانی کی موت مرے گا۔

جامعیت:

حج جیسی عبادت میں باقی تمام عبادات کی روح شامل ہے۔ حج کے لیے روانگی سے واپسی تک دوران سفر نماز کے ذریعے قرب خداوندی میسر آتا ہے۔ حج کے لیے مال خرچ کرنا زکوۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزے کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گھر سے دوری اور سفر کی صعوبت میں جہاد کا رنگ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "حج کا سامان تیار رکھو کہ یہ بھی ایک جہاد ہے"

زائرین خانہ کعبہ کی قلبی کیفیات:

اگر حج کے مناسک پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ہر مرحلہ اپنے اندر اخلاقی و روحانی تربیت کا سامان رکھتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر دنیوی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دو اَن سلی چادریں اوڑھ کر " لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ " کی صدائیں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ شریف میں حاضر ہوتا ہے تو اس کا یہ سفر ایک طرح سے سفر آخرت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس دینی ماحول اور پاکیزہ فضا میں جب وہ مناسکِ حج ادا کرتا ہے تو اس کی حالت ہی عجیب ہوتی ہے۔ میدان عرفات کے قیام میں اسے وہ بشارت یاد آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں مسلمانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل کا ذکر فرمایا ہے۔ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خطبے کی بے مثال ہدایات یاد آتی ہیں۔ اسے یہ حکم یاد آتا ہے کہ "میرے بعد گمراہی سے بچنے کے لیے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔" قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے نظیر قربانیاں یاد آتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے جملہ قربانیوں کے مقابلے میں نفس کی چھوٹی موٹی خواہشات کی قربانی کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میرا تو مرنا جینا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ ایسے میں اس کے لبوں پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں:

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ
وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (سورۃ الانعام: 163-162)

ترجمہ: کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔

مقامِ منیٰ میں وہ اس عزم کے ساتھ اپنے ازلی دشمن شیطان کو کنکریاں مارتا ہے کہ اب اگر یہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرے گا تو اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گا۔ جب وہ بیت اللہ کے سامنے پہنچتا ہے تو اس کی روح اس خیال سے وجد میں آجاتی ہے کہ جس گھر کی زیارت کی تمنا تھی وہ آج نظر کے سامنے ہے۔ اللہ سے لو لگائے رکھنے کی یہ کیفیت حاجی کے کام آتی ہے۔ طواف کے بعد وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو گویا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اے اللہ تیرے قُرب سے حاصل ہونے والی اس قوتِ ایمان کو میں تیرے دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دوں گا اور عمر بھر حضرت محمد ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ دل کی یہی تمنا دعا بن کر اس طرح لبوں تک آجاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اسْتَعْمِلْنِيْ بِسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَتَوَفَّنِيْ عَلٰى مِلَّتِهٖ وَاَعِذْنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ

ترجمہ: اے میرے اللہ! مجھے اپنے نبیؐ کے طریقے پر کاربند رکھ اور اس پر عمل کرتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلالے۔ اور نفسانی لغزشوں سے مجھے محفوظ فرمادے۔

فوائد:

1۔ حج کا اصل فائدہ یادِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے۔ لیکن دیگر ارکانِ دین کی طرح اس کے بھی متعدد معاشرتی و اخلاقی فوائد ہیں۔ اس موقع پر دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے افراد حج کی برکت سے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ایمان اور تقویٰ کی پاکیزگی کی جو دولت لے کر لوٹتے ہیں وہ ان کے ماحول کی اصلاح کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

2۔ حج کا یہ عظیم الشان اجتماع ملتِ اسلامیہ کی شان و شوکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان رنگ و نسل، قوم و وطن کے امتیازات سے بلند و بالا ہو کر ایک ہی کلمہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ دہراتے ہیں۔ ایک ہی کیفیت میں سرشار اپنے رب کی پکار پر لپکے جا رہے ہوتے ہیں تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے فداکار سپاہیوں کی ایک فوج معلوم ہوتے ہیں۔

3۔ حج کا ایک اہم تجارتی اور اقتصادی فائدہ یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک سے آنے والے حجاج خرید و فروخت کے ذریعے معاشی نفع حاصل کرتے ہیں۔

حجِ مقبول:

حج کے مذکورہ بالا اجتماعی و انفرادی فوائد سے ہم تب ہی متمتع ہو سکتے ہیں جب ہمارا مقصد رضائے الٰہی ہو۔ ہماری سرگرمیوں کا مرکز و محور دینِ حق کی سربلندی ہو اور حج کے روحانی مقاصد پر نظر جمی رہے۔ تبھی ہمارا حج 'حجِ مقبول و مبرور' ہو سکتا ہے۔

جہاد

جہاد:

جہاد کے لغوی معنی کوشش کے ہیں اور دینی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کوشش ہے جو دین کی حفاظت اور فروغ اور امتِ مسلمہ کے دفاع کے لیے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا حاکم مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے احکام کی

پیروی کرے۔ نیز اس کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ چلنے دے۔ اگر کوئی طاقت "اقتدار اعلیٰ" اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا قانون نافذ کرنا چاہے تو وہ جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ کرے۔ اسلام کی جملہ عبادات انسان میں یہی جذبہ فداکاری پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، اس جذبے کے بغیر نہ اسلام کی بقا ممکن ہے نہ فروغ۔ جہاد کی چند اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ خواہش نفس کے خلاف جہاد:

اطاعت الٰہی سے روکنے والی پہلی قوت انسان کی اپنی خواہشات ہیں۔ جو ہر وقت اس کے دل میں موجزن رہتی ہیں۔ اور اسے ان کی سرکوبی کے لیے ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ لہٰذا خواہشات نفس کے خلاف جہاد کو نبی اکرم ﷺ نے "جہاد اکبر" کا نام دیا ہے۔ اور یہ جہاد کا وہ مرحلہ ہے جسے سر کیے بغیر انسان جہاد کے کسی اور میدان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

2۔ شیطان کے خلاف جہاد:

اپنے نفس پر قابو پالینے کے بعد ان شیطانوں سے نمٹنا ضروری ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کو اپنی اطاعت اور بندگی پر مجبور کر رہے ہوں۔ قرآن حکیم اس قسم کی ہر قوت کو طاغوت کا نام دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (سورۃ النساء: 76)

ترجمہ: جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں۔

یہ طاغوتی قوتیں مسلمان معاشرے کے اندر غلط رسم و رواج کی شکل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور اسلامی معاشرے کے باہر غیر اسلامی ممالک کے غلبے کی شکل میں بھی۔ چنانچہ ان طاغوتی طاقتوں سے نمٹنے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ کہیں ان سے زبان و قلم کے ذریعے نمٹا جاتا ہے۔ اور کہیں قوت و طاقت کے ذریعے۔ اس بارے میں قرآن مجید ایک جامع ہدایت دیتا ہے۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ (سورۃ النحل: 125) ترجمہ: اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ طریقوں سے۔

اگر جہاد کا سچا جذبہ دل میں موجزن ہو تو مومنانہ بصیرت ہر موقع پر مناسب راہیں سجھا دیتی ہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

مَنْ رَّاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ
وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (مسلم)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے (قوت سے) روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے (اور یہ بدی کو محض دل سے برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

3۔ جہاد بالسیف:

حق و باطل کی کشمکش میں وہ مقام آ کر رہتا ہے جب طاغوتی قوتیں حق کا راستہ روکنے اور اسے مٹانے کے لیے سر و جنگ سے آگے بڑھ

کر کھلی جنگ پر اتر آتی ہیں اور مسلمانوں کو ملی تحفظ اور بقائے دین کے لیے ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں:

(ا) مدافعانہ جہاد:

اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک کے مسلمانوں پر اپنے دین و ایمان' جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مسلمان ممالک اور اسلامی معاشرے کو غیر مسلموں کے تسلط سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد شمار ہوگی۔ مدافعانہ جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ریاست کی مسلمان رعایا پر محض اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے تو عالم اسلام اسے ظلم وستم سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

(ب) مصلحانہ جہاد:

جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد دین حق کا قیام بتایا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (سورۃ التوبہ:33)

ترجمہ:۔ اس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور اگرچہ برا مانیں مشرک۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (سورۃ الانفال:39)

ترجمہ: اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جاوے دین سب اللہ کا۔

جنگ اور جہاد:

مخالفین اسلام ہمارے دین کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا' جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد کسی مخصوص فرد' گروہ یا قوم کی ہوس ملک گیری' جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تسکین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن ظلم' دہشت گردی اور سفاکی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہو جانے کی صورت میں مفتوحین کی جان و مال اور عزت و آبرو' ہر چیز کو غارت کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان کے جہاد کا مقصد انسانوں کو طاغوتی قوتوں کے غلبے سے نجات دلانا' ان کے شرف اور ان کی آزادی کو بحال کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ جنگ کا پابند رکھتا ہے۔ جس میں اس کی ذاتی منفعت کا شائبہ تک شامل نہیں ہوتا۔ اس کی تلوار کی زد محض برسر جنگ افراد تک محدود رہتی ہے اور پھر جب وہ فتح حاصل کرتا ہے تو مفتوح قوم کو اپنے جذبۂ انتقام کا نشانہ بنانے کی بجائے ان کے لیے امن و سلامتی کی فضا فراہم کرتا ہے اور انھیں اسلام کی ان برکات سے بہرہ ور کرتا ہے جس میں بحیثیت انسان تمام انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ چنانچہ جب غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کا نظام عدل' نظام اخلاق' نظام سیاست و حکومت اور نظام عبادات پسند آ جاتا ہے تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں اور ان کی اس ذہنی تبدیلی کا سہرا تلوار کے سر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور مجاہدین اسلام کے اعلیٰ کردار کے سر ہے۔ تلوار کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اسلام کے

عادلانہ نظام اور عالم اسلام کے درمیان جو لادینی قوتیں رکاوٹ بنی پڑی ہوں ان کا صفایا کر دے۔

جہاد کے فضائل:

قرآن حکیم اور کتب احادیث میں جہاد کے متعدد فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ○ (سورۃ الصف:4)

ترجمہ: اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے "قسم ہے اللہ کی جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابل آکر ٹھہرے رہنے کا ثواب گھر میں ستر نمازوں سے زیادہ ہے" بلاشبہ یہ جہاد کی عظمت اور شہادت کی تڑپ ہی کا جذبہ تھا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان دنیا پر چھائے رہے اور پورے کرۂ ارض پر ان کی عظمت و شوکت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت

اللہ تعالیٰ کے احسانات:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف زندگی ہی نہیں دی بلکہ زندگی بسر کرنے کے تمام لوازمات بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس کی عنایات کا شمار اور اس کے کرم کا حساب ممکن نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ (سورۃ ابراہیم:34) ترجمہ:۔ اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ گن سکو۔

کیسے ممکن ہے کہ نعمتوں کی یہ کثرت و فراوانی انسان کے دل میں اپنے رحیم و کریم آقا کے لیے وہ جذبہ محبت و احسان مندی نہ پیدا کرے جس کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ (سورۃ البقرہ:165)

ترجمہ:۔ اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے احسانات:

اللہ تعالیٰ کے بعد ہماری محبت کے مستحق اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات کی طفیل ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت "دولتِ دین" میسر آئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں جس قدر تکالیف مجھے دی گئیں کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں اور وہ سب تکالیف آپ ﷺ نے اس غرض سے برداشت کیں کہ امت آخرت کی تکالیف سے بچ جائے۔

حضور اکرم ﷺ کی محبت کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے والدین اپنی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

شرطِ محبت۔ اطاعتِ رسول:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۃ آلِ عمران: 31)

ترجمہ: آپ کہہ دیں اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ۔

اور اطاعت کی یہ شرط کچھ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے جتنے انبیا بھی دنیا میں بھیجے گئے ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی پیروی کرائی جائے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۃ النساء: 64)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانا جائے اللہ کے فرمانے سے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حوضِ کوثر پر ایسے لوگوں کو حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا جنھوں نے مسلمان ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی پیروی کرنے کی بجائے دین میں نئی نئی باتیں نکال لی تھیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے:

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

ترجمہ: میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کر دے۔ عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والا شخص کون ہوگا؟ ارشاد فرمایا جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہوگا۔

حُقُوقُ العباد

معاشرتی زندگی میں اگر فرداً فرداً سب لوگوں کو ان کے جائز حقوق ملتے رہیں تو وہ سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی صلاحیتیں معاشرے کی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں اور اس طرح خوشگوار ماحول بن سکتا ہے۔ جسے حسنِ معاشرت کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ آپس میں ایک دوسرے کا حق مارنے کی روش بے چینی اور کشمکش پیدا کرتی ہے۔ اس سے معاشرے کا نظم بگڑتا ہے اور تخریبی رجحانات تعمیری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں انسان کو اپنی ہدایات سے محروم نہیں رکھا۔ اس نے انسانوں کے درمیان حقوق کا واضح تعین کر کے ان کی ادائیگی کو اپنی خوشنودی اور ادا نہ کرنے کو اپنی ناخوشی کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ایک سچا مسلمان حقوق العباد کو بھی حقوق اللہ ہی کی طرح محترم سمجھتا اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ حقوق العباد کو درج ذیل اہم حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ والدین کے حقوق:

معاشرے میں انسان کو جن ہستیوں سے سب سے زیادہ مدد ملتی ہے وہ والدین ہیں جو نہ صرف اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ ہی نہیں بنتے بلکہ اس کی پرورش اور تربیت کا بھی سامان کرتے ہیں۔ دنیا میں صرف والدین کی ہی ذات ہے جو اپنی راحت اولاد کی راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ ان کی شفقت اولاد کے لیے رحمتِ باری تعالیٰ کا وہ سائبان ثابت ہوتی ہے جو انھیں مشکلاتِ زمانہ کی دھوپ سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے۔ انسانیت کا وجود اللہ کے بعد والدین ہی کا مرہونِ منت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے بعد انھی کا حق ادا

کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَـقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل: 24-23)

ترجمہ: اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے۔ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر پہنچ جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں! اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیازمندی سے اور کہہ "اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انھوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کا نافرمان جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ نبی کریم ﷺ نے بوڑھے والدین کی خدمت پر بہت زور دیا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کی صلاحیتیں اور توانائیاں اولاد پر صرف کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اولاد کا فرض ہے کہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بن کر احسان شناسی کا ثبوت دے۔ ایک بار آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی محفل میں ارشاد فرمایا۔ "ذلیل وخوار ہوا' ذلیل وخوار ہوا' ذلیل وخوار ہوا" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کون؟ یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا "وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر لی۔"

2۔ اولاد کے حقوق:

حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ایک زمانے میں انسان کی سنگ دلی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتا۔ اسلام نے انسان کے دل میں سوئے ہوئے جذبہ رحم والفت کو جگایا تو دنیا سے قتل اولاد کی سنگدلانہ رسم مٹی اور اولاد کو اپنے والدین سے محبت وشفقت کی نعمت ایک بار پھر ملی۔ قرآن حکیم میں معاشرے کی دیگر برائیوں کے ساتھ قتل اولاد سے بھی ان الفاظ میں منع فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْـيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل: 31)

ترجمہ: اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے۔ ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو۔ بے شک ان کو مارنا بڑی خطا ہے۔

ایک صحابیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "شرک" انھوں نے دریافت کیا "اس کے بعد" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "والدین کی نافرمانی" عرض کیا "اس کے بعد" ارشاد ہوا: "تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے کھانے میں حصہ بٹائے گی"۔

تعلیماتِ اسلامی کے تحت والدین پر اولاد کے متعدد حقوق عائد ہوتے ہیں مثلاً:

(1) زندگی کا حق (2) بنیادی ضروریات کی فراہمی یعنی کھانے پینے، رہائش اور علاج کا حق (3) حسب مقدور تعلیم وتربیت کا حق۔

اگر والدین یہ جملہ حقوق بحسن وخوبی ادا کرتے رہیں تو نہ صرف یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی اولاد ان کے

بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اولاد کے حقوق کی ادائیگی پر اپنے آرام و آسائش کو مقدم رکھتے ہیں ان کی اولاد ان کی آخری عمر میں انھیں بے سہارا چھوڑ دیتی ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ جہاں وہ اپنی اولاد کو روزی کمانے کے قابل بنانے کی تدبیر کرتے ہیں وہاں ان میں فکرِ آخرت بھی پیدا کریں اور عملِ صالح کی تربیت دیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کی ذمہ داری کو بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم: 6)

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

بلاشبہ اگر والدین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق اپنی اولاد کے حقوق بطریقِ احسن ادا کریں اور اسے نیکی کی راہ پر لگائیں تو نہ صرف یہ کہ وہ دنیا میں ان کی راحت کا سامان بنے گی بلکہ آخرت میں بھی ان کی بخشش کا ذریعہ بنے گی۔

3۔ میاں بیوی کے باہمی حقوق:

معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے اور گھر کے سکون اور خوشحالی کا انحصار میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے۔ اس کی عمدگی محض دو افراد ہی کی نہیں بلکہ دو خاندانوں کی شادمانیوں کا سبب بنتی ہے۔ اگر ان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ صورتِ حال بہت سے رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زوجین کے حقوق کا تعین فرماتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ (سورۃ البقرۃ: 228)

ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

لیکن یہ درجہ محض گھر کا انتظام ایک زیادہ باہمت، حوصلہ مند اور قوی شخصیت کے سپرد کرنے کے لیے ہے۔ عورتوں پر ظلم روا رکھنے کے لیے نہیں۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے خواتین کا شرف بحال کیا اور مردوں کو ان پر حکومت کا اختیار دینے کی بجائے ان کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی اور تلقین کی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کو خیر اور اچھائی کا معیار بتایا۔ ارشاد ہوا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔

ایک بار ایک صحابیؓ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "جو خود کھائے اسے کھلائے، جیسا خود پہنے ویسا اسے پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اسے برا بھلا کہے" آپ ﷺ کو بیویوں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ خطبہ حجۃ الوداع میں ان سے حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ (سورۃ النساء: 34)

ترجمہ:۔ پھر جو عورتیں نیک ہیں سو اطاعت گزار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے۔

جہاں مرد کو منتظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے بیوی بچوں کی کفالت اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی وہاں عورتوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مردوں کی وفادار اور اطاعت گزار بن کر رہیں۔ ایک مسلمان بیوی کے لیے شوہر کی جو حیثیت ہوتی ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی

سے ہوتا ہے۔ "اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدے کا حکم دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" ساتھ ہی شوہر کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیوی پر سختی نہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں کچھ خامیاں بھی پائی جاتی ہوں تو درگزر کرے اور اس کی خوبیوں کی قدر کرے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ○ (سورۃ النساء: 19)

ترجمہ: اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح۔ پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں۔ شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

اس بات کی تصریح نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارک سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرنے لگ جاؤ، اگر تم غور کرو گے تو تمھیں اس میں کوئی اچھائی بھی ضرور نظر آ جائے گی۔"

4۔ رشتہ داروں کے حقوق:

والدین، اولاد اور شریک حیات (بیوی) کے حقوق کے بعد اسلام رشتہ داروں کے حقوق پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ اہل خانہ کے بعد سب سے زیادہ انھی سے پڑتا ہے۔ اگر خاندان کے افراد ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں تو پورے خاندان میں محبت اور اپنائیت کی فضا قائم ہوگی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو نفرت اور دوری پیدا ہو جائے گی۔ اور آئے دن کے جھگڑوں سے خاندان کا سکون برباد ہو کر رہ جائے گا۔ قرآن و حدیث دونوں میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی بار بار تلقین کی گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ (سورۃ بنی اسرائیل: 26) ترجمہ: اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ ترجمہ: رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی ضروریات کا خیال رکھیں، تاکہ انھیں غیروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ تلقین کی گئی ہے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اس میں ترجیح اپنے رشتہ داروں کو دیں اور پھر ان کے ساتھ جو سلوک کریں اس پر انھیں طعنے دے کر اپنا اجر و ثواب برباد نہ کریں۔ انھیں احساسِ تنہائی اور احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے دیں۔ ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوں۔ رشتے داروں کے ذریعے امداد کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی اور کام نکل جاتا ہے۔ جبکہ غیروں سے مدد طلب کرنے میں اپنی ہی نہیں، خاندان کی عزت بھی گھٹتی ہے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی ہدایات کے مطابق اپنے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھے تو معاشرہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

5۔ اساتذہ کے حقوق:

اسلام نے جہاں مسلمانوں پر حصول علم کو فرض قرار دیا وہاں استاد کو بھی معزز ترین مقام عطا کیا تاکہ اس کی وجاہت سے علم کا وقار بڑھے اور علم سے انسانیت کا۔ استاد کا یہ اعزاز کیا کم ہے کہ اسے اس پیشے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے ایک خصوصی نسبت حاصل ہے۔ جیسا کہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ترجمہ: مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

استاد نئی نسل کی صحیح نشوونما کر کے اس کے فکر وعمل کی اصلاح کرتے ہیں۔ نئی نسل انہی کے فراہم کردہ سانچوں میں ڈھلتی ہے۔ استاد کے اعزاز واحترام کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: "تیرے تین باپ ہیں، ایک وہ جو تجھے عدم سے وجود میں لایا، دوسرا وہ جس نے تجھے اپنی بیٹی دی، تیسرا وہ جس نے تجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔"

معلم کی حیثیت "علم کی بارش" کی سی ہوتی ہے اور طلبہ کی "زمین" کی سی۔ جو زمین بارش کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بارش کے فیض سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ یہ حوصلہ اور ظرف بھی والدین کے علاوہ استاد کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو خود سے آگے بڑھتے دیکھ کر حسد کرنے کی بجائے خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں وہ اپنے طلبہ کی کامیابیوں کو اپنی ہی کامیابیاں سمجھتا ہے۔ مسلمانوں میں استاد کی احسان مندی اور احترام کا اندازہ کچھ اس رواج سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شاگرد استاد کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنا لیتے تھے۔ اور اس طرح لائق شاگردوں کے ذریعے استاد کا نام زندہ رہتا تھا۔

6۔ ہمسایوں کے حقوق:

انسان کی روزمرہ کی زندگی میں اپنے ہمسایوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے اور تین قسم کے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کی خصوصی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اول: وہ پڑوسی جو رشتے دار بھی ہوں۔

دوم: غیر رشتے دار پڑوسی (خواہ وہ غیر مسلم ہوں۔)

سوم: جن سے عارضی تعلقات قائم ہو جائیں۔ مثلاً ہم پیشہ، ہم جماعت یا شریک سفر افراد وغیرہ۔

ہمسایوں کے حقوق کے بارے میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(ا) وہ شخص مومن نہیں جو اپنے ہمسائے کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر ہو۔

(ب) تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے حق میں بہتر ہے۔

(ج) اگر پڑوسی کو مدد کی ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو دو، محتاج ہو جائے تو اس کی مالی امداد کرو، بیمار پڑ جائے تو علاج کرواؤ اور مر جائے تو جنازے کے ساتھ قبرستان جاؤ اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔ اگر اسے کوئی اعزاز حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو۔ اگر مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس سے ہمدردی کرو۔ بغیر اجازت اپنی دیوار اتنی اونچی نہ کرو کہ اس کے لیے روشنی اور ہوا رک جائے۔ کوئی میوہ یا سوغات وغیرہ لاؤ تو اسے بھی بھیجو۔

(د) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اتنی شدت سے تاکید فرماتے تھے کہ ہم سوچنے لگتے کہ شاید میراث میں بھی پڑوسیوں کا حصہ رکھ دیا جائے گا۔

(ہ) ایک بار آپ ﷺ کی محفل میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار ہے۔ دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے۔ لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ دوزخی ہے" اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عبادات) ادا کرتی ہے لیکن ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "وہ جنتی ہے۔"

7- غیر مسلموں کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کی صراحت فرما دی ہے کہ کافر اور مشرک ہرگز ہرگز مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے سے شہری حقوق عطا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (سورۃ المائدۃ: 8)

ترجمہ:۔ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار غیر مسلموں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا ایک ڈاکٹر مریض سے کرتا ہے۔ اسی حسن سلوک سے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے دل جیت لیے۔

معاشرتی ذمہ داریاں

(ل) محاسن اخلاق

اسلام انسانی معاشرے کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے اخلاق حسنہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے اخلاقی قدروں کی پاسداری کو مذہبی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں چند محاسن اخلاق کا ذکر درج ذیل ہے۔

1- دیانت داری:

معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لیے دیانت ایک بنیادی شرط ہے۔ جس معاشرے سے دیانت داری ختم ہو جائے وہاں کاروباری معاملات سے لے کر گھریلو تعلقات تک ہر جگہ ناقابل اصلاح بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے دیانتداری کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ (سورۃ النساء: 58)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو۔

نیز جہاں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے والوں کی دیگر صفات بتائی گئی ہیں وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (سورۃ المؤمنون: 8)

ترجمہ:۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ آپ ﷺ منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل بھی عرب کے بددیانت معاشرے میں "الامین" یعنی دیانت دار کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے احساس دیانت کا یہ عالم تھا کہ مدینے ہجرت کرتے وقت بھی ان لوگوں کی امانتوں کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا جو آپؐ کے قتل کے درپے تھے۔ اسلام نے دیانت کے مفہوم کو محض تجارتی کاروبار تک محدود نہیں رکھا بلکہ وسعت دے کر جملہ حقوق العباد کی ادائیگی کو دیانت کے دائرے میں شامل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "محفل میں کی جانے والی باتیں بھی امانت ہیں" یعنی ایک جگہ کوئی بات سن کر دوسری جگہ جا سنانا بھی بددیانتی میں داخل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانتیں سمجھیں اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب دینا ہے۔ دیانت کی اس تعریف کے پیش نظر ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور بددیانت بھی۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس میں دیانت نہیں اس میں ایمان نہیں"

2۔ ایفائے عہد:

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارے اکثر معاملات کی بنیاد وعدوں پر ہوتی ہے۔ وہ پورے ہوتے رہیں تو معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر ان کی خلاف ورزی شروع ہو جائے تو سارے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ اسی بگاڑ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل: 34)

ترجمہ: اور پورا کرو عہد کو بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔

انسان کے تمام وعدوں میں اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے یوم ازل سے بندگی کے معاملے میں اپنے خالق سے کیا ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی یاددہانی اس انداز سے کرائی ہے:

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۃ الانعام: 152)

ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم کر دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

ایک اور مقام پر باہمی معاہدوں اور اجتماعی رشتوں کی پاسداری کا لحاظ رکھنے کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی:

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (سورۃ الرعد: 21-20)

ترجمہ: وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جن کو اللہ نے فرمایا ملانا۔

نبی کریم ﷺ نے سخت سے سخت حالات میں بھی عہد کی پابندی فرمائی۔ مثلاً جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انھیں مسلمان ہو جانے پر کتنی اذیت دی ہے اور درخواست کی کہ انھیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو آپ ﷺ نے اس شفقت کے باوصف جو آپ ﷺ کو

مسلمانوں سے تھی انھیں اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے جانے سے محض اس لیے انکار کر دیا کہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں کو مدینہ سے لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرامؓ کے لیے بے قراری کا باعث تھی لیکن صلح نامہ حدیبیہ کی پاسداری کے پیش نظر سب نے صبر و تحمل سے کام لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خطبوں میں اکثر یہ بات فرماتے تھے:

لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ ترجمہ: جسے وعدے کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

ہمارے لین دین کے جملہ معاملات اور باہمی حقوق ایفائے عہد ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سب کی پاسداری کریں۔

3۔ سچائی:

سچائی ایک ایسی عالمگیر حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر انسان سکھ چین کا سانس نہیں لے سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا: اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۟ (سورۃ النساء:87) ترجمہ:۔ اور اللہ سے بچی کس کی بات ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں انبیاء کی اس صفت کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ وہ راست گفتار تھے۔ سچائی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ تمام انبیاء نے وہیں سے سچائی حاصل کی اور دنیا میں پھیلائی۔ اس سچائی سے انکار کرنے والا زندگی کے ہر معاملے میں جھوٹ اور باطل کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہو کر رہتا ہے۔ اردو میں ہم سچ کا لفظ محض گفتگو کے تعلق سے استعمال کرتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس کے مفہوم میں قول کے ساتھ عمل اور خیال تک کی سچائی شامل ہے۔ یعنی صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے۔ بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رچی بسی ہو۔

4۔ عدل و انصاف:

عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق با آسانی مل جائے۔ نظام عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی سر انجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعثتِ نبوی سے قبل دنیا عدل و انصاف کے تصور سے خالی ہو چکی تھی۔ طاقتور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دینِ اسلام کی طفیل ظلم و ستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ و نسل اور قوم و وطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ ناانصافی کی بنا پر انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہو گئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ اس طرح لوگوں کے درمیان انس و محبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسان کے لیے

سرمایۂ افتخار ہے۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عدل و انصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسلِ انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ (سورۃ المائدۃ: 8)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

رنگ و نسل کی طرح اسلام کے تصورِ عدل میں کسی کے اعلیٰ منصب اور مرتبے کی کوئی اہمیت نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلے قومیں اسی سبب سے برباد ہو گئیں کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتیں تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔“

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لاگ انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظامِ عدل کا قیام ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے سلطانِ عادل کو اللہ کا سایہ قرار دیا۔

5۔ احترامِ قانون:

جس طرح قدرت کا نظام چند فطری قوانین کا پابند ہے۔ اسی طرح معاشرے کا قیام و دوام معاشرتی، اخلاقی اور دینی احکام و قوانین پر موقوف ہے۔ یوں تو دنیا کا ہر عقل سے کام لینے والا انسان بھی قانون کی ضرورت اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔ لیکن ہم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ عصرِ حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں۔ اور لاقانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ اس کی دو اہم وجوہ ہیں:

1۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔

2۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

اسلام ان دونوں وجوہ کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ ایک طرف وہ انھیں اللہ کی پرستش اور ایثار و سخاوت کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے۔ اسلام انھیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے تو آخرت میں انھیں اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہو جانے والے افراد کو از خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ انھیں دنیا میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے تاکہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسداری کرے اور اپنے اثر ورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا میں قانون کے سامنے سب کے برابر ہونے کا چرچا تو بہت ہے۔ لیکن دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعات مہیا نہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام اور شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ گم ہوگئی اور ایک یہودی سے ملی۔ خود خلیفہ وقت ہونے کے باوصف آپؓ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے اور جب قاضی نے آپؓ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قریبی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپؓ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے۔ احترامِ قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

6۔ کسبِ حلال:

کسبِ حلال کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (سورۃ المومنون: 51)

ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا۔

اسی طرح تمام انسانوں کو تلقین فرمائی گئی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا (سورۃ البقرۃ: 168)

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ۔

مزید برآں مسلمانوں کو خصوصی تاکید کی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (سورۃ البقرۃ: 172)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو۔

اسلام میں عبادات اور معاملات کے ضمن میں کسبِ حلال کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے عبادات کی مقبولیت کے لیے کسبِ حلال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (سورۃ البقرۃ: 188)

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق۔

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی' بددیانتی' رشوت ستانی' سود خوری' چوری' ڈاکہ زنی' ذخیرہ اندوزی' فریب دہی اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے تو اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام ہر معاملے میں کسبِ معاش کے ان تمام غلط طریقوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور ناجائز ذرائع کے اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ "حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہیے" جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر یقین ہوگا وہ کبھی جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرے گا۔ خواہ ان میں کتنی ہی دلکشی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو شخص اس

شیطانی وسوسے میں مبتلا ہو کہ میں ناجائز ذرائع سے اپنے مقدور سے زیادہ کما سکتا ہوں وہی حرام طریقوں کا سہارا لے گا۔ شیطان کے اس حربے کو ناکام بنانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ معیارِ زندگی کا ڈھونگ رچانے کی بجائے سادگی، کفایت شعاری، میانہ روی اور قناعت پسندی کے اصولوں پر کاربند رہا جائے۔

7۔ ایثار:

دنیا پرستی اگر انسان کو خود غرضی اور مفاد پرستی سکھاتی ہے تو خدا پرستی اس میں جذبۂ ایثار پیدا کرتی ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر خلقِ خدا کو راحت و آرام پہنچاتا ہے۔ اس کا عمل اللہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پائے گا اور اخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے گا۔

دیگر محاسنِ اخلاق کی طرح نبی اکرم ﷺ ایثار و سخاوت کا بہترین نمونہ تھے اور سربراہِ مملکت ہوتے ہوئے بھی انتہائی غربت و عسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ خانۂ مبارک میں ہفتوں چولھا نہیں جلتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے گھر سے کوئی سائل محروم نہیں اٹھا۔ اپنے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو قرض لے کر حاجت مند کی حاجت پوری کرتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے جانور ذبح فرمایا اور گوشت تقسیم کی غرض سے گھر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد گھر میں آ کر دریافت فرمایا کتنا تقسیم ہوگیا اور کتنا بچا۔ عرض کیا گیا کہ عمدہ قسم کا گوشت تقسیم ہوگیا ہے اور خراب قسم کا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اور جو تقسیم ہوگیا ہے وہ رہ گیا ہے اور جو باقی بچا ہے حقیقت میں وہ چلا گیا ہے"

صحابہ کرامؓ بھی جذبۂ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں جانے والی فوج کے ساز و سامان کے لیے مسلمانوں سے مالی اعانت طلب کی گئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے قحط کے زمانے میں باہر سے آنے والا غلہ دو گنے چوگنے منافع کی پیش کش کرتے ہوئے خریدا اور بلا معاوضہ تقسیم کر دیا۔

صحابہ کرامؓ کے ایثار کے سلسلے میں ایک واقعہ بڑا اثر انگیز ہے۔ ایک بار کوئی بھوکا پیاسا شخص حضور پُرنور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے دولت کدے پر پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حسبِ دستور ایک انصاری صحابیؓ آپ ﷺ کے مہمان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانا صرف بچوں کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا کر فاقے کی حالت میں سلا دو اور کھانا شروع کرتے وقت کسی بہانے چراغ بجھا دو۔ تاکہ مہمان کو یہ اندازہ نہ ہوسکے کہ ہم کھانے میں شریک نہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور انصاری کا یہ پورا گھرانہ بھوکا سویا رہا۔ صبح جب یہ صحابیؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ جل شانہٗ تمھارے رات کے حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا۔ (صحیح البخاری حدیث: 3798، صحیح مسلم حدیث: 2054) ایسے ہی ایثار پیشہ لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (سورۃ الحشر: 9)

ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔

ہجرت کے موقع پر انصارِ مدینہ نے مہاجرین مکہ کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

(ب) رذائلِ اخلاق

جس طرح اخلاقِ حسنہ کی ایک طویل فہرست ہے جن کو اپنا کر آدمی دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے اسی طرح کچھ ایسے اخلاق رذیلہ ہیں جن کو اختیار کرنے کے بعد انسان حیوانی درجے میں جا گرتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہوں اور اخلاقِ رذیلہ سے بچیں جو انسان کی شخصیت کو داغ دار کر دیتے ہیں۔ اور اسے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیتے ہیں۔ چند ایک رذائلِ اخلاق درج ذیل ہیں:

1۔ جھوٹ:

جھوٹ نہ صرف یہ کہ بجائے خود ایک برائی ہے بلکہ دیگر بہت سی اخلاقی برائیوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنے کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَٰذِبٌ كَفَّارٌ ○ (سورۃ الزمر:3)

ترجمہ: بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور حق نہ ماننے والا ہو۔

نبی اکرم ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا" یا رسول اللہ ﷺ! جنت میں لے جانے والا عمل کون سا ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" سچ بولنا' جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے۔ اس سے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں یہ اضافہ جنت میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔" اس شخص نے دریافت کیا" یا رسول اللہ ﷺ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے۔" فرمایا" جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا۔ جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرتا چلا جائے گا اور یہ کفر اسے جہنم میں لے جائے گا" جھوٹ کا تعلق محض زبان سے نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ناپسندیدہ اعمال بھی جھوٹ کی تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً غلط طریقے سے کسی کا مال ہتھیانا' کم تولنا' غرور کرنا' منافقت سے کام لینا وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے نمود و نمائش کو بھی جھوٹ کی ایک قسم قرار دیا۔ جھوٹ کے نتیجے میں باہمی اعتبار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اور معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جھوٹ کی ہر قسم سے پرہیز کریں۔

2۔ غیبت:

اخلاقی بیماریوں میں غیبت جس قدر بری بیماری ہے بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اسی قدر عام ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اس بیماری سے محفوظ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ (سورۃ الحجرات:12)

ترجمہ: اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو تو گھن آتا ہے تم کو اس سے۔

غیبت کے لیے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تمثیل انتہائی بلیغ ہے۔ کیونکہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ اس طرح غیبت سے باہمی نفرت کو ہوا ملتی ہے اور دشمنی کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ غیبت کے مرض میں مبتلا شخص خود کو عموماً عیبوں سے پاک تصور کرنے لگتا ہے۔ اور جس کی غیبت کی جائے وہ اپنے عیب کی تشہیر ہو جانے کے باعث اور ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ غرض غیبت ہر لحاظ سے معاشرتی

سکون برباد کرتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ لوگ اس سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت و آبرو بگاڑتے ہیں۔ (یعنی غیبت کرتے ہیں)

شریعت اسلامی میں غیبت صرف دو صورتوں میں جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک مظلوم کی ظالم کے خلاف فریاد کی شکل میں اور دوسرے لوگوں کو کسی فریب کاری سے آگاہ کرنے کے لیے۔ بعض علمانے نقل اتارنے اور تحقیر آمیز اشارات کرنے کو بھی غیبت میں شمار کیا ہے۔

غیبت اور اتہام میں فرق ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے مراد کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی وہ برائی بیان کرنا ہے جو اس میں موجود ہے۔ جب کہ اتہام (تہمت لگانا) سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں موجود ہی نہیں ہے اور اس کے دامن عفت کو بلاوجہ داغ دار بنایا جائے۔

3۔ منافقت:

علمائے اسلام نے منافق کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک وہ منافق جو دل سے اسلام کی صداقت وحقانیت کا قائل نہیں، لیکن کسی مصلحت یا شرارت کی بنا پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسے اعتقادی منافق کہتے ہیں۔ دوسرا منافق وہ ہے جو اگرچہ خلوص نیت سے اسلام قبول کرتا ہے لیکن بعض بشری کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کے عملی احکام پر چلنے میں تساہل یا کوتاہی کرتا ہے۔ اسے عملی منافق کہتے ہیں۔ پہلی قسم کا منافق کافروں سے بدتر ہے۔ جب کہ دوسری قسم کا منافق صاحب ایمان ضرور ہے لیکن اس کی تعلیم وتربیت ابھی ناقص ہے، جو کسی معلم ومربی کے فیضان نظر یا صحبت نیک سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی سب سے خطرناک چال یہ ہوتی ہے کہ وہ دین داری کے پردے میں مسلمانوں کو باہم لڑا دیں۔ اسی مقصد کے لیے انھوں نے مدینے میں مسجد نبویؐ کے مقابل مسجد ضرار تعمیر کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ نے اس مسجد کو مسمار کرا کے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ (سورۃ التحریم:9)

ترجمہ: اے نبی! لڑائی کرو منکروں سے اور دغابازوں سے اور سختی کرو ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں:

1۔ جب بولے تو جھوٹ بولے۔

2۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

3۔ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

ان نشانیوں کے ہوتے ہوئے چاہے وہ نماز اور روزہ کا پابند ہو وہ منافق ہی ہے۔ قرآن مجید میں ان منافقوں کے انجام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے اور تکلیف دہ حصے میں رکھے جائیں گے۔

4- تکبر:

تکبر کے معنی خود کو بڑا اور برتر ظاہر کرنے کے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے لفظ بڑائی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اور کہا کہ میں آدمؑ سے افضل ہوں۔ اس لیے ان کو سجدہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ○ (سورۃ الاعراف:13)

ترجمہ: تُو اُتر یہاں سے تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں۔ پس باہر نکل تو ذلیل ہے۔

وہ دن اور آج کا دن۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا چلا آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آخرت میں بھی متکبر انسانوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ ○ (سورۃ الزمر:60)

ترجمہ:۔ کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور کرنے والوں کا۔

تکبر کی مذمت فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس کے دل میں رائی برابر بھی غرور اور تکبر ہوگا وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

مغرور و متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور گناہوں پر بے باک ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کون دے سکتا ہے؟ اسی لیے وہ مروت اخوت ایثار اور اس قسم کی بہت سی دوسری بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

5- حسد:

انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کو اچھی حالت میں دیکھیں تو خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ لیکن حسد وہ بری خصلت ہے جو کسی کو خوش حال اور پرسکون دیکھ کر انسان کو بے چین کر دیتی ہے اور وہ اپنے بھائی کی خوشحالی کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دل ہی دل میں جلتا اور کڑھتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خود اپنے لیے پریشانی مول لے لیتا ہے۔ یوں تو حسد ایک اخلاقی بیماری ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان کئی دوسری اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ دوسروں کو بہتر حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تو وہ اپنے بہت سے عزیزوں سے ترک تعلق کر لیتا ہے جو ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اسی طرح جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالت زار پر کف افسوس ملتا رہتا ہے۔ اس کی وہ صلاحیتیں جو اپنی حالت بہتر بنانے پر صرف ہو سکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔ حاسد اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے۔ گو اسلام اپنے پیروکاروں کو محبت اور احساس کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن حاسد کے دل میں سوائے نفرت اور جلن کے کوئی شریفانہ جذبہ جگہ نہیں پا سکتا۔ اجتماعی فلاح کے معانی یہ ہیں کہ معاشرے کے جملہ افراد معزز اور خوشحال ہوں۔ لیکن حاسد لوگوں کی نیک نامی اور خوشحالی کو ذلت و خواری میں بدلتے دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک نہ ایک دن وہ معاشرے کی نظروں میں ذلیل ہو کر

رہتا ہے۔ مسلمانوں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

ترجمہ:۔ دیکھو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اگر انسان حسد جیسے اخلاقِ رذیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگانِ دین کی سادگی و قناعت کی تاریخی مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ مزید برآں وہ دولت و اقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔

سوالات

1۔ ارکانِ اسلام سے کیا مراد ہے۔ فرد کی تعمیرِ سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کیا کردار ادا کرتی ہے؟

2۔ روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات بیان کریں۔

3۔ اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

4۔ حج کا فلسفہ کیا ہے؟ نیز اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان کریں۔

5۔ جہادِ اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس کی قسمیں اور فضائل بیان کریں۔

6۔ اولاد کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کریں۔

7۔ اسلام نے عورت کو معاشرہ میں کیا مقام دیا ہے؟ اس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں بیان کریں۔

8۔ مندرجہ ذیل کے حقوق و فرائض پر مختصر نوٹ لکھیں۔

رشتہ دار، ہمسائے، اساتذہ، غیر مسلم

9۔ معاشرہ کی اسلامی تشکیل کے لیے کن امور کی پابندی ضروری ہے؟

10۔ محاسنِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ محاسنِ اخلاق تفصیلاً بیان کریں جن سے معاشرہ سنور سکتا ہے۔

11۔ رذائلِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ رذائل کا تفصیلاً ذکر کریں جن سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

12۔ کسبِ حلال کی اہمیت بیان کریں۔

13۔ ''حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے۔'' وضاحت کیجئے۔

14۔ صحابہؓ کے ایثار کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

15۔ ''حکمران طبقے کے لیے قانون کی پاسداری کیوں ضروری ہے؟'' وضاحت کریں۔

☆☆☆

اُسوہ رسولِ اکرم ﷺ

رحمۃ للعالمین

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ (سورۃ الانبیاء: 107)

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اور آپ ﷺ کی زندگی کو پوری انسانیت کے لیے نمونۂ ہدایت قرار دیا گیا ہے:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب: 21)

ترجمہ: تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

اُمت پر شفقت و رحمت:

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (سورۃ التوبہ: 128)

ترجمہ: (مسلمانو!) تمھارے پاس (اللہ کے) ایک رسول آئے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں۔ تمھارا رنج و کلفت میں پڑنا ان پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کے بڑے ہی خواہش مند ہیں۔ وہ مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

حضور اکرم ﷺ مقروض اصحاب کا قرض اپنے پاس سے ادا فرماتے۔ بحالتِ ضرورت نماز و خطبہ مختصر فرما دیتے۔ یہاں تک کہ بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے پسندیدہ عمل کو بھی اس لیے ترک فرما دیتے کہ کہیں وہ عمل امت پر فرض کی حیثیت سے عائد نہ ہو جائے۔ مثلاً نمازِ تراویح صرف تین دن مسجد میں ادا فرمائی (صحیح بخاری) اور بعد ازاں یہ خیال مانع ہوا کہ نمازِ تراویح امت پر فرض نہ کر دی جائے۔ اسی طرح امت کو عبادات و معاملات میں دشواری سے بچانے کے لیے حضور اکرم ﷺ نے عمر بھر فکر کی۔ مثلاً مسواک کے بارے میں فرمایا: "اگر امت کو دشواری نہ ہوتی تو میں انھیں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" (صحیح بخاری)۔ غرضیکہ خلقِ خدا اور خالقِ ارض و سماء دونوں شاہد ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ یعنی ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان کے بہترین مصداق ہیں۔

کافروں پر رحمت:

گذشتہ امتیں اپنی نافرمانی اور گناہوں کے سبب مختلف عذابوں میں مبتلا ہوئیں۔ کسی قوم کی صورت مسخ کر دی گئی۔ کسی پر طوفان کا عذاب آیا اور کسی کی بستی کو الٹ دیا گیا۔ لیکن حضور انور ﷺ کے وجود کی برکت سے کفارِ مکہ باوجود اپنی سرکشی کے دنیا میں عذابِ عظیم سے محفوظ

رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ (سورۃ الانفال: 33)

ترجمہ: اور اللہ ہرگز عذاب نازل نہیں کرے گا۔ جب تک کہ آپؐ ان میں موجود ہیں۔

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ مشرکین کے لیے بددعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں لعنت کرنے والا نہیں۔ بلکہ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں" حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم ﷺ نے قبیلہ دوس میں دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا۔ واپسی پر انھوں نے عرض کیا "قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا" کیونکہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ سن کر حضرت محمد ﷺ بددعا کریں گے مگر آپ ﷺ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ ترجمہ: اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو دائرہ اسلام میں لا۔

غزوۂ احد میں حضور انور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ کا چہرہ اقدس خون سے تر تھا مگر مخالفین اسلام کے لیے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر دعائیہ الفاظ جاری تھے۔

عورتوں پر شفقت:

اسلام سے قبل معاشرے میں عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ وہ ظلم و ستم کا شکار تھیں۔ حضرت محمد ﷺ نے انھیں عزت و احترام بخشا اور ان کے حقوق و فرائض کا تعین کیا اور ان کو ماں، بیٹی اور بیوی تینوں حیثیتوں سے عزت عطا کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ (سیوطی) ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

عرب کے لوگ تنگ و عار یا بھوک اور افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قبیح رسم کو ختم کرایا اور لڑکیوں کو گھر کی زینت اور گھر والوں کے لیے باعثِ رحمت قرار دیا۔

یتیموں کا والی:

یتیموں اور غریبوں کے لیے حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی سراپا رحمت ہے۔ آپ سے پہلے یتیموں اور بیواؤں کا کوئی والی نہ تھا۔ آپ ﷺ نے یتیموں کی نگہداشت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا۔

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: میں اور یتیم کی نگہداشت کرنے والا بہشت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس (زوجہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ) بیان کرتی ہیں کہ جس دن جعفر رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے حضرت محمد ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا "اسماء! جعفر کے بچوں کو بلاؤ" میں نے بچوں کو خدمتِ اقدس میں حاضر تو آپ ﷺ نے انھیں سینے سے لگایا اور رو پڑے۔ میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! شاید آپ کو جعفرؓ کی طرف سے کچھ خبر آئی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "وہ آج شہید ہو گئے"۔

غلاموں کا مولیٰ:

اُس دور میں غلاموں کے ساتھ بڑا ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی اور حکم دیا کہ تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمھارا ماتحت بنایا۔ تم جو کھاؤ ویسا ہی انھیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو ویسا ہی انھیں بھی پہناؤ اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر کام کا بوجھ نہ ڈالو۔

بچوں پر رحمت:

حضرت محمد ﷺ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ جب آپؐ کا گزر بچوں کے پاس سے ہوتا تو آپ ﷺ انھیں سلام کرتے اور رک کر پیار کرتے۔ ایک روز آپ ﷺ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پیار کر رہے تھے کہ اقرع بن حابس تمیمی جو آپ ﷺ کے پاس موجود تھے کہنے لگے "میرے دس لڑکے ہیں میں نے کبھی کسی کو یوں پیار نہیں کیا" آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ "جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا" حضرت محمد ﷺ کی شانِ رحمت یہ تھی کہ آپ ﷺ انسان تو انسان جانوروں تک کے لیے باعث رحمت تھے۔ آپؐ نے ہمیشہ جانوروں سے بھی اچھے سلوک کی تاکید فرمائی۔

اُخُوّت

حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے قبل معاشرے میں جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ حضور ﷺ نے انھیں درسِ اخوت و محبت دیا اور مختصر سے عرصے میں معاشرے کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق و کردار سے دشمنوں کو دوست، بیگانوں کو یگانہ اور خون کے پیاسوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا ذکر اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (سورۃ آلِ عمران:103)

ترجمہ: اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن۔ پھر الفت دی تمھارے دلوں میں۔ اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم تھا۔ یہ نعمت جو صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت ہی سے حاصل ہوئی، دنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۃ الانفال:63)

ترجمہ۔ اور اللہ نے الفت ڈالی ان کے دلوں میں۔ اگر تم خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں۔ بے شک وہ زور آور ہے حکمت والا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے مہاجرین مکہ و انصار مدینہ کے درمیان "رشتہ مواخاۃ" قائم کر دیا۔ ہر مہاجر کو کسی انصاری کا دینی بھائی بنا دیا اور اس طرح اخوت و محبت کا ایسا مضبوط رشتہ قائم فرما دیا جس کی

مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ انصار کے ایثار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مکانات، باغات اور کھیت آدھے آدھے بانٹ کر برضا و رغبت اپنے دینی بھائیوں کو دے رہے تھے۔ دوسری طرف مہاجرین کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ وہ کہتے تھے۔ ہمیں بازار کا راستہ دکھا دو۔ ہم تجارت یا مزدوری کر کے پیٹ پالیں گے۔ یہ مواخات ارشادِ ربانی إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (سورۃ الحجرات 10:) (مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں) کی بے مثال عملی تفسیر تھی۔

مُساوات

حضرت محمد ﷺ نے ہمیں اپنے قول و عمل سے مساوات کا جو درس دیا ہے وہ تاریخِ انسانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام سب برابر تھے۔ آپ ﷺ نے خاندانی اور قبائلی فخر کو مٹایا۔ ذات پات اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا۔ آپ ﷺ کے نزدیک سلمان فارسی، بلال حبشی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت قریش کے معززین سے کم نہ تھی۔

مسجد مسلمانوں کے لیے مساوات کی ایک عملی تربیت گاہ ہے اور نماز مساوات کا بہترین مظہر ہے۔ خواہ امیر ہو یا غریب، بڑا ہو یا چھوٹا، سب ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اسلام میں بزرگی کا انحصار ذات پات اور قبیلہ و خاندان کی بجائے نیکی اور تقویٰ پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حقیقت کو خطبۂ حجۃ الوداع میں یوں بیان فرمایا ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى

ترجمہ: اے لوگو! تم سب کا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ (آدم) ایک ہی ہے۔
پس کوئی فضیلت نہیں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو کالے پر، کالے کو سرخ پر، سوائے تقویٰ کے۔

مساوات کا عملی مظاہرہ اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے بیٹھنے کے لیے کوئی نمایاں جگہ مخصوص نہ کی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بے تکلفی سے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا لباس عام مسلمانوں کے لباس جیسا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا مکان نہایت سادہ اور چھوٹا سا تھا اور آپ ﷺ کی غذا بھی بہت سادہ ہوتی تھی۔

مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کرتے وقت حضرت محمد ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اس طرح غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی آپ ﷺ عام مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک رہے۔

صبر و استقلال

صبر کے لغوی معنی روکنے اور برداشت کرنے کے ہیں۔ یعنی اپنے نفس کو خوف اور گھبراہٹ سے روکنا اور مصائب و شدائد کو برداشت کرنا۔ استقلال کے لغوی معنی استحکام اور مضبوطی کے ہیں۔ الغرض صبر و استقلال دل کی مضبوطی، اخلاقی بلندی اور ثابت قدمی کا نام ہے۔

قرآن مجید میں صبر کی بڑی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (سورۃ لقمان: 17)

ترجمہ: اور جو مصیبت آپ کو پیش آئے اسے برداشت کریں۔ یہ بڑے عزم کی بات ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ: 153) ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مصیبت اور پریشانی کے وقت اپنے بندوں کو صبر و رضا کی تاکید کی ہے۔ اور چونکہ انسان کی جان اور اس کا مال سب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ آزمائش کے وقت رضائے الٰہی کی خاطر صبر و سکون سے کام لے۔ جب حضرت محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ آپ ﷺ کو جھٹلایا۔ آپ ﷺ کا مذاق اڑایا۔ کسی نے (معاذ اللہ) جادوگر کہا اور کسی نے کاہن' مگر آپ ﷺ نے صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور تبلیغ دین سے منہ نہ موڑا۔

ایک دن حضرت محمد ﷺ خانہ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف میں اس وقت کفار کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کے اکسانے پر اونٹ کی اوجھڑی سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ اور مشرکین زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ کسی نے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ وہ فوراً دوڑی ہوئی آئیں اور غلاظت آپ ﷺ کی پشت سے دور کی اور کافروں کو بددعا دی۔ اس پر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔ "بیٹی صبر سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ یہ نہیں جانتے کہ ان کی بہتری کس چیز میں ہے"

ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا۔ لیکن جب سے آپ ﷺ نے تبلیغ دین شروع کی وہ اور اس کی بیوی امِ جمیل دونوں آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ ابولہب نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ "لوگو! (معاذ اللہ) یہ دیوانہ ہے۔ اس کی باتوں پر کان نہ دھرو"۔ اس کی بیوی حضور ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ کئی مرتبہ آپ ﷺ کے تلوے لہولہان ہو گئے مگر آپؐ نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اس تکلیف کو برداشت کیا۔ کبھی بددعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اس گستاخی پر ان کی مذمت میں سورۃ لہب نازل کی۔

دشمنانِ حق نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تمام تدبیروں کے باوجود حق کا نور چاروں طرف پھیلتا جا رہا ہے، تو انھوں نے نبوت کے ساتویں برس محرم الحرام میں خاندان بنو ہاشم سے قطع تعلق کر لیا۔ جس کی رو سے تمام قبائلِ عرب کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ بنو ہاشم سے ہر طرح کا لین دین اور میل جول بند کر دیں۔ اور ابولہب کے سوا پورا خاندان بنو ہاشم تین سال تک حضرت محمد ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہا۔ اس دوران انھوں نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر اس موقع پر "رحمۃ للعالمین ﷺ" نے نہایت صبر و ضبط اور بڑی پامردی و استقامت سے ان حالات کا مقابلہ کیا۔ اس طرح آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرامؓ بھی رضائے الٰہی کی خاطر مصروفِ جہاد رہے اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام تکلیفوں کو بے مثال صبر و استقامت سے برداشت کرتے رہے۔

عفوودرگزر

عفوودرگزر ایک بہترین اخلاقی وصف ہے۔ اس سے دوستوں اور عزیزوں کی محبت بڑھتی ہے اور دشمنوں کی عداوت دور ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جن صفات کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ ان میں عفوودرگزر بھی شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ (سورۃ آل عمران:134)

ترجمہ: اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو۔

حضرت محمد ﷺ نے قریش کی شدید مخالفت کو دیکھ کر وادیٔ طائف کا قصد کیا۔ تاکہ وہاں کے رہنے والوں کو دین اسلام کی دعوت دیں۔ طائف کے سرداروں نے حضرت محمد ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے آپ ﷺ سے نہایت غیر مہذب اور ناشائستہ برتاؤ کیا۔ آپ ﷺ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے اس موقع پر جبریل امینؑ تشریف لائے اور انھوں نے عرض کیا "اگر آپ حکم دیں تو طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں۔ تاکہ سرکش لوگ نیست و نابود ہو جائیں" مگر حضور ﷺ نے نہ صرف یہ کہ انھیں معاف فرمایا بلکہ ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ "اے اللہ! ان کو ہدایت عطا فرما۔" فتح مکہ کے موقع پر صحنِ کعبہ میں قریش مکہ کا اجتماع تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بناتے رہے تھے۔ انھوں نے کتنے ہی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا اور حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کو اتنی اذیتیں پہنچائی تھیں کہ انھیں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی۔ اب یہ لوگ خوف و دہشت کی تصویر بنے ہوئے تھے اور ڈر رہے تھے کہ نہ جانے اب ان سے کتنا شدید انتقام لیا جائے گا۔ حضرت محمد ﷺ نے ان کی طرف توجہ کی اور فرمایا: "اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "آپ نیکی کا برتاؤ کریں گے۔ کیونکہ آپ خود مہربان ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں"

آپ ﷺ نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ (سورۃ یوسف:92)

ترجمہ: کچھ الزام نہیں تم پر آج' بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں کا مہربان۔

ذکر

ذکر کے معنی ہیں کسی کو یاد کرنا۔ دین کی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ذکر الٰہی کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ (سورۃ الاحزاب:41)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو بہت کثرت سے یاد کرو۔

نیز ذکر کرنے والے مومنوں کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ النور:37)

ترجمہ:۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے۔

ایک اور جگہ اس طرح ارشاد ہوا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ (سورۃ الرعد:28)

ترجمہ: خوب سن کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے۔

ذکر کی افضل ترین شکل نماز ہے کیونکہ اس میں ذکر کی تینوں قسمیں (قلبی، لسانی، عملی) جمع ہوگئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات میں سب سے پہلے نماز ہی فرض کی گئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی دیر تک کھڑے ہو کر عبادت کیا کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں ورم آ جاتا۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت لکھ دی۔ پھر آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ (سورۃ المزمل: 3-1)

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات، آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا۔

دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا (سورۃ الدھر:26)

ترجمہ: اور کسی وقت رات کو سجدہ کر اس کو اور پاکی بول اس کی بڑی رات تک۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور فرض نمازوں کے ساتھ نوافل کا بھی اہتمام فرماتے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں آیا ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل:79)

ترجمہ: اور رات کے کچھ حصہ میں سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے حق میں زائد چیز ہے۔

قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی بہترین ذکر لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور چونتیس بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا بھی ذکر الٰہی ہے۔ اس ذکر کا نام "تسبیح فاطمہ" ہے۔ ذکر کے اور بھی بہت سے مسنون طریقے ہیں۔ جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

سوالات

1۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

حضور اکرم ﷺ کی شفقت و رحمت :

(الف) عورتوں پر

(ب) بچوں پر

(ج) امت پر

(د) یتیموں پر

2۔ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" "حضور اکرم ﷺ نے اس حکم قرآنی کے تحت اختلاف رنگ و نسل مٹا کر تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔" اس پر مفصل تبصرہ کریں۔

3۔ مساوات کسے کہتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ نے اسلامی معاشرے میں مساوات کیسے قائم کی؟

4۔ عفو و درگزر سے کیا مراد ہے؟ اس سے انسانی معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟
رسول پاک ﷺ کے عفو و درگزر کے چند واقعات تحریر کریں۔

5۔ ہمارے نبی ﷺ صبر و استقلال کا پہاڑ تھے۔ مثالوں کے ذریعے اس کی وضاحت کریں۔

6۔ ذکر سے کیا مراد ہے؟ ذکر الٰہی کی اقسام اور اس کے فضائل تحریر کریں۔

☆☆☆

تعارفِ قرآن وحدیث

تعارفِ قرآن

قرآن مجید کی تعریف:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تئیس سال کی مدت میں آہستہ آہستہ حالات وضرورت کے پیش نظر نازل ہوتی رہی۔ یہ نہایت ہی پاکیزہ اور مقدس کتاب ہے۔ جس میں سب انسانوں کے لیے ہدایت کا پیغام ہے۔ قرآن حکیم کے علاوہ بھی چند دیگر آسمانی کتابیں ہیں جو پہلے زمانے میں رسولوں پر نازل ہوئیں مثلاً تورات' زبور اور انجیل۔ اس کے علاوہ صحیفے بھی ہیں جو دوسرے پیغمبروں پر نازل ہوئے۔ سب آسمانی کتابوں میں بنیادی تعلیمات مثلاً توحید' شرک' اخلاق وعبادات سے متعلق احکامات مشترک رہے ہیں۔ مگر وہ تمام سابقہ کتابیں ایک خاص دور کے لیے تھیں۔ یہ چونکہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے نہ تھیں اس لیے ان کے اکثر احکام بھی ایک خاص وقت کے لیے تھے۔ جو دوسرے زمانے کے لیے قابلِ عمل نہ تھے۔ مگر قرآن مجید ایک ایسی جامع کتاب ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتی ہے اور اس کی یہ رہنمائی کسی خاص وقت اور قوم کے لیے نہیں' بلکہ قیامت تک کی تمام دنیائے انسانیت کے لیے ہے۔ قرآن مجید آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہے اس کے بعد کسی دوسری کتاب کے نزول کی کوئی گنجائش نہیں۔

قرآنِ مجید کے اسماء:

قرآن مجید کے اسماء کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں جن میں سے ''کتاب البرہان'' کا بیان بھی ہے کہ قرآن کریم کے پچپن (55) نام ایسے ہیں جو خود آیاتِ قرآنیہ سے ماخوذ ہیں۔ ان میں سے چند اسماء مبارکہ مندرجہ ذیل فہرست میں مذکور ہیں۔

1۔ الکتاب : دنیا کی تمام کتابوں میں ''کتاب'' کہلانے کا مستحق صرف قرآن مجید ہی ہے۔

2۔ الفرقان : سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے والی کتاب۔

3۔ نور : روشنی اور ہدایت دکھانے والی کتاب۔

4۔ شفاء : روحانی شفاء اور پیغامِ صحت کی کتاب۔

5۔ تذکرہ : عبرت ونصیحت کا سامان رکھنے والی کتاب۔

6۔ العلم : یہ کتاب سراپا علم ومعرفت ہے۔

7۔ البیان : اس کتاب کی ہر تعلیم وضاحت سے پیش کی جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چند صفات کا بھی بیان فرمایا ہے۔ مثلاً

حکیم :	حکمت والا۔	مجید :	بزرگ۔
مبارک :	بابرکت۔	العزیز :	زبردست عزت والا۔
مبین :	ہدایت کو واضح کرنے والا۔	کریم :	کرامت اور بزرگی والا۔

اس کتاب کی خوبیوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس کے مضامین ومطالب کی کوئی حد نہیں۔ کوئی شخص بھی جس کے دل میں ہدایت کی سچی تڑپ ہو وہ اپنے فہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

قرآن مجید کا نزول:

حضرت محمد ﷺ کی عمر جب چالیس سال کی تھی تو آپ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ عمر کے اس حصے میں آپ زیادہ تر تنہائی میں رہتے تھے۔ آپ عبادت کی خاطر غارِ حرا میں تشریف لے جاتے۔ ایک بار جب آپ غار میں مصروفِ عبادت تھے تو اچانک جبریل امین غار کے دہانے پر تشریف لائے اور کہا کہ حضرت محمد ﷺ پڑھیے آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا لکھا نہیں۔ تین بار یہی سوال وجواب ہوتا رہا۔ چوتھی بار جبریل امین نے آپ کو پکڑ کر دبایا اور چھوڑ دیا اس کے بعد سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات پڑھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ
الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ (سورۃ العلق 1:5)

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے۔ بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔
جس نے علم سکھایا قلم سے سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔

وحی کی ابتدا آپ پر بوجھ ثابت ہوئی۔ آپ پر کپکپی طاری ہو گئی، اور آپ سیدھے اپنے گھر تشریف لے آئے آپ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ کی اطاعت شعار زوجہ محترمہ نے آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی۔ "آپ کو اللہ تعالیٰ ہرگز ناکام نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں کو باہم جوڑتے ہیں۔ آپ لوگوں کی مشکلات کا بوجھ برداشت کرتے ہیں۔ آپ فقیروں کو مال عطا کرتے ہیں اور مہمان نواز ہیں" حقیقت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہم سب مسلمانوں کے لیے درس کا کام دیتے ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی ان خوبیوں کو اختیار کرے تو اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے عملی زندگی میں ناکام نہیں کرے گا بلکہ اسے مشکلات سے نجات دے گا۔

قرآن پاک کی سورتوں کی خصوصیات

(ا) مکی سورتوں کی خصوصیات:

حضور اکرم ﷺ نے مکے میں تیرہ سال گذارے اس دوران آپ کو بے حد مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا کیونکہ اپنے جانے پہچانے لوگ جن سے آپ کو امید تھی کہ وہ آپ کی دعوت سن کر آپ پر ایمان لائیں گے بیگانے ہو گئے۔ انھیں توحید کی دعوت سننا گوارا نہ تھا اس لیے کہ وہ شرک کی بیماری میں مبتلا تھے۔ انھوں نے نہایت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ آپ کی دعوت حق کو نہیں مانیں گے اور آپ کی مخالفت جس قدر ان سے ہو سکے گی کریں گے۔ چنانچہ اس مخالفت میں وہ لوگ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے۔ آپ جب قرآن پڑھتے تو درمیان میں چیختے چلاتے تاکہ لوگ قرآن نہ سن سکیں۔ جو اللہ کے بندے آپ پر ایمان لاتے تھے انھیں مارتے پیٹتے۔ یہ تیرہ سال کا زمانہ انتہائی مشکلات ومصائب کا زمانہ تھا۔ اس دور میں قرآن کا جو حصہ نازل ہوا اس میں آپ کو صبر کی تلقین کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی توحید و رسالت اور

آخرت کے مضامین بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مکہ معظمہ میں تیرہ سال گزارنے کے بعد آپ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔

(ب) مدنی سورتوں کی خصوصیات:

ہجرت کے بعد آپ جب مدینے تشریف لائے تو صورتِ حال مختلف تھی۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی آپ کی دعوتِ حق یہاں پہنچ گئی تھی۔ اور مدینے کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت آپ کی رہنمائی میں مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی تو آپ نے مہاجرین وانصار کی مدد سے ایک اسلامی ریاست قائم فرمائی۔ اس دوران نئی نئی ضروریات کے پیش نظر جو سورتیں اور آیات نازل ہوئیں ان میں معاشرتی' معاشی' سیاسی قسم کے مسائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت' عدل واحسان کا حکم' تجارت' میل جول کے احکام اور جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ عبادات میں روزہ' زکوٰۃ اور حج بھی فرض ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال گزارے۔ اس دوران میں مختلف موقعوں پر قرآن مجید کی آیات اور سورتیں نازل ہوتی رہیں۔ اسی زمانے میں مسلمانوں کی کفار سے لڑائیاں بھی ہوئیں۔ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی اُسے غزوۂ بدر کہتے ہیں۔ سب سے آخر میں غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہجری میں آخری حج ادا کیا۔ جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ گذشتہ تیئیس سال کی مدت میں آپ کی بعثت کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ آپ کے ہاتھوں دین وشریعت کی تکمیل ہو گئی۔ آپ نے عملاً ایک اسلامی ریاست قائم کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے اس آخری حج کے دوران میدانِ عرفات میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو نہایت ضروری احکام اور نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے صحابہؓ کی بہت بڑی تعداد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ آگاہ رہو کیا میں نے دین کے احکام پہنچا دیے؟ سب نے جواباً عرض کیا۔

قَالُوْا نَعَمْ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ

ترجمہ: وہ بولے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے پیغام پہنچا دیا' امانت ادا کر دی اور امت کو نصیحت فرما دی۔

آپ کا یہ خطبہ ظاہر کر رہا تھا کہ اب آپ اپنا کام مکمل کر کے دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ اسی خاطر آپ نے اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کو آخری بار خطاب فرمایا۔ اس کے بعد آپ پر وحی نازل ہوئی جس میں دین کے مکمل ہونے کا اعلان تھا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (سورۃ المائدۃ: 3)

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا تمھارے لیے دین تمھارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے اسلام کا دین۔

اس آیت کے نازل ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ رحلت سے قبل آپ نے امت کو قرآن مجید کے بارے میں خصوصی وصیت فرمائی کہ اسے میں تمھارے درمیان چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اسے مضبوطی سے پکڑنا۔ اس لحاظ سے ہم سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب کے احترام کے ساتھ ساتھ اس کی ہدایات پر بھی عمل کریں۔

قرآن مجید کی سورتیں اور آیات:

قرآن مجید ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے۔ اور ہر سورت جملوں پر مشتمل ہے جن کو آیات کا نام دیا گیا ہے' یہ آیت کی جمع ہے۔ آیت کے معنی نشانی کے ہیں۔ گویا ہر آیت اللہ تعالیٰ کے کسی ابدی قانون کے لیے ایک نشانی کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں سورۃ توبہ کے سوا ہر سورۃ کے شروع میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہوا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ سب سے بڑی اور سورۃ الکوثر سب سے چھوٹی ہے جس کی صرف تین آیات ہیں۔ سارے قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں۔ یہ منزلیں اس لیے مقرر کی گئی ہیں تا کہ جو لوگ ہفتے میں قرآن ختم کرنا چاہیں ان کے لیے آسانی رہے۔

قرآن مجید کی حفاظت:

قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ○ (سورۃ الحجر: 9)

ترجمہ: ہم نے خود اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اس آیت میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

اول یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ یعنی معمولی درجے کی کتاب نہیں بلکہ سب سے بلند و بالا ہستی نے جو تمام قوتوں کا مالک ہے، انسانوں کی راہنمائی کے لیے اسے نازل فرمایا ہے۔

دوم یہ کتاب ذکر ہے۔ ذکر کے معنی نصیحت کے ہیں۔ یعنی یہ کتاب لوگوں کی نصیحت اور بھلائی کی خاطر نازل کی گئی ہے۔ تیسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔ یعنی اس کتاب کو قطع و برید اور تحریف سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ برخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ وہ تحریف کے عمل سے بچ نہیں سکیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن جس شان سے اترا ہے بغیر کسی تبدیلی کے اب بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ اگرچہ اس کے نازل ہونے کے بعد سے اس وقت تک بڑی مدت گزر چکی ہے اس کی زبان، فصاحت و بلاغت اور اصول و احکام اپنی جگہ قائم ہیں۔ مزید یہ کہ زمانہ کتنا ہی گزر جائے اور تقاضے اور ضروریات کتنی ہی بدل جائیں لیکن قرآن ہر زمانے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ سلطنتیں اور حکومتیں قرآن کو دبانے کی کتنی ہی کوشش کریں اس کی آواز دب نہیں سکتی۔ غرضیکہ حفاظتِ قرآن کا وعدۂ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو کر رہا کہ اس کے مقابل بڑے بڑے مخالفوں کے سر نیچے ہو کر رہے۔ اپنے تو اپنے رہے غیروں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝

فَإِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (سورۃ القیمۃ: 19-16)

ترجمہ: اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ لہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت آپ اس کی قراءت کو غور سے سنتے رہیں پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

خود حضرت محمد ﷺ نے اس کو یاد کرنے اور لکھنے کا اہتمام فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کی بڑی تعداد حافظ قرآن تھی۔ اس کے علاوہ قرآن مجید پتھر کی سلوں، کھجور کے پتوں، اونٹ کے شانہ کی ہڈی پر مختلف اجزاء کی صورت میں لکھا ہوا موجود تھا۔

قرآن مجید کی ترتیب:

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے۔ یعنی خود حضرت محمد ﷺ نے حکم الٰہی کے مطابق اس کی ترتیب کا اہتمام فرمایا۔ جب کوئی

سورت نازل ہوتی تو آپ خود کاتبانِ وحی سے فرمایا کرتے تھے کہ اس سورت کو فلاں فلاں سورت کے شروع یا آخر میں درج کردو۔ اور کبھی آیات نازل ہوتیں تو آپ خود فرمایا کرتے تھے ان کو فلاں فلاں سورت میں درج کردو۔ ان باتوں کی موجودگی میں مسلمانوں کا ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ یہ ترتیب توقیفی ہے۔ حضور ﷺ کے کاتبانِ وحی میں چند حضرات صحابہؓ کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں خلفاء اربعہ بھی ہیں۔

عہد صدیقی میں قرآن مجید کی جمع آوری اور تدوین:

حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں اگرچہ قرآن حکیم پوری ایک کتاب کی صورت میں نہ تھا۔ بلکہ مختلف چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا۔ اسے ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنے کی ضرورت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی۔ آپؓ کی خلافت کے دور میں مسلمانوں کی جنگ مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہوئی جس نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ اس کی سرکوبی کے لیے آپؓ نے ایک لشکر بھیجا جس میں اکثر حفاظ قرآن بھی تھے۔ اس جنگ میں بیشتر حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ اگرچہ مسلمانوں کو فتح ہوئی تاہم مرکز خلافت میں اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں حفاظ قرآن کے شہید ہو جانے سے قرآن مجید ضائع نہ ہو جائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تدوین کا کام مشہور قاری و حافظ صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جو عہد رسالت میں اکثر و بیشتر کتابت وحی کی خدمت انجام دیا کرتے تھے جس کو انھوں نے نہایت محنت سے بڑی خوبی کے ساتھ تکمیل کو پہنچا دیا۔ پھر قرآن کریم کا یہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور آپ کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں آ گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ام المومنینؓ سے اس مصحف کو منگوا کر اس کی متعدد نقلیں اپنی نگرانی میں تیار کرائیں اور تمام قلمرو خلافت میں اس کے نسخے بھجوا دیے۔

قرآن کا انداز بیان:

قرآن کا انداز بیان بے حد پیارا اور دلکش ہے۔ جب یہ پڑھا جاتا ہے تو ہر کوئی سننے کے لیے اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کلام میں بلا کی تاثیر ہے یہ دل کی گہرائیوں میں اترتا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بے شمار معانی و مطالب پوشیدہ ہیں۔ اسی خاطر شروع سے تفسیر کرنے والوں نے اس کی تفسیر لکھنے میں عمریں خرچ کر ڈالیں اور یہ سلسلہ برابر چلتا جا رہا ہے۔ قرآن کا انداز بیان دنیا کی تمام دوسری کتابوں سے بالکل جدا ہے۔ یہ براہ راست انسان کو خطاب کرتا ہے۔ اور اسے سیدھی راہ کی طرف بلاتا ہے۔ یہ کتاب ہر قسم کی خامیوں سے پاک سمجھی گئی ہے اور اس کی تلاوت شروع سے مسلمان کثرت سے کرتے آئے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا برحق کلام ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔

قرآن مجید کی خوبیاں:

قرآن مجید میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جن کے سبب یہ کتاب زندہ جاوید بن گئی ہے۔ اگرچہ ان تمام خوبیوں کا شمار ناممکن اور محال ہے۔ تاہم چند خوبیوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

1۔ قرآن مجید ایک سچی کتاب ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام بھی سچائی سے بھرپور ہے۔ اس کے دلائل نہایت مضبوط اور مستحکم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (سورۃ ہود: 1)

ترجمہ: یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت بھری ہیں پھر حکمت والے خبردار کی طرف سے کھول کر بیان کی گئیں۔

چونکہ دلائل نہایت مضبوط ہیں اور سچائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اس لیے تضاد سے پاک ہیں۔ اس کے مضامین میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (سورۃ النساء: 82)

ترجمہ: اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔

2۔ اس کتاب نے ان افراد اور اقوام کی کامیابی کی ضمانت دی ہے جو سچے دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے یہ کتاب اس جہان میں بھی شرف و امتیاز کا وعدہ کرتی ہے۔ اس حقیقت کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یوں ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کتنی ہی قوموں کو بلندی بخشے گا اور کتنوں کو پست کرے گا۔" (صحیح مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو ہی لیجیے اس کتابِ ہدایت کا اثر تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کو یکسر بدل دیا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ جو اپنے باپ خطاب کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے باپ انھیں جھڑکا کرتے تھے۔ یہ قوت و عزم میں قریش کے متوسط لوگوں میں سے تھے۔ یہ وہی عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو اسلام قبول کر لینے کے بعد تمام عالم کو اپنی عظمت و صلاحیت سے متحیر کر دیتے ہیں اور قیصر و کسریٰ کو تاج و تخت سے محروم کر دیتے ہیں اور ان کے مقابل ایک ایسی اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالتے ہیں جو دونوں حکومتوں پر حاوی ہے۔ تدبیرِ سلطنت میں ہمیشہ کے لیے وہ رہنما اصول مقرر کرتے ہیں جن پر ساری دنیا فخر کرتی ہے۔ اتنی بڑی سلطنت کے سربراہ ہونے کے باوجود ورع و تقویٰ میں بے مثل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جس قدر اس کتاب کے قریب ہوگا اسی قدر اسے شرف و امتیاز نصیب ہوگا اور اس کے مقابل جو شخص جس قدر اس کتاب کی تعلیمات سے روگردانی کرے گا اسی قدر وہ ذلت و خواری کا شکار ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی مشہور نظم "شکوہ" میں مسلمانوں کی موجودہ ذلت و خواری کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب
رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب
طعنِ اغیار ہے، رسوائی ہے ناداری ہے
کیا تیرے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

اس کے بعد علامہ اقبالؒ نے "جوابِ شکوہ" میں مسلمانوں کی پستی کی وجہ خود ہی یوں بیان فرمائی ہے:

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدریؓ فقر ہے، نے دولتِ عثمانیؓ ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ان اشعار میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد سبب قرآن سے علیحدگی کو قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آج بھی مسلمان مل کر قرآن کی راہ پر چلیں تو وہ پہلی عزت و شرافت یقیناً آج بھی انھیں نصیب ہو سکتی ہے۔

3۔ تربیت و تزکیہ کے لحاظ سے اس کتاب میں بلا کی خوبی ہے۔ اس کی تربیت سے انسانی قلب و دماغ، جذبات و خواہشات، رجحانات و میلانات اور سیرت و کردار کا بخوبی تزکیہ ہوتا ہے، جس کی بدولت انسان اخلاقی فضائل اپنے اندر پیدا کرتا ہے اور پھر اس کی ہر بات دل میں اتر جاتی ہے۔ اس کی تلاوت سے جہاں قلب میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے وہاں عزم و یقین کی دولت بھی نصیب ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر:

قرآن مجید چونکہ کلامِ الٰہی ہے اس لیے اس میں پڑھنے والوں کے لیے بلا کی تاثیر رکھ دی گئی ہے۔ اس تاثیر کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتا ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ الحشر: 21)

ترجمہ: اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے۔

یہ اسی تاثیر کا سبب ہے کہ ایک مومن اس کی تلاوت کے دوران ایک عجیب کیفیت اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ یہی دراصل ایمانی کیفیت ہے، جو تعلق باللہ میں استواری اور قرآنی تعلیمات کو اپنے اندر جذب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ صحابہؓ سے قرآن مجید سنتے اور اس موقع پر آپ ﷺ پر رقت کی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس بارے میں ایک حدیث ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میں آپ کو قرآن سناؤں؟ حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اوروں سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ میں سورۃ النساء پڑھنے لگا۔ جب میں اس آیت پر پہنچا۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۞ (سورۃ النساء: 41)

ترجمہ: پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔

تو آپ نے فرمایا۔ اب بس کرو۔ میں نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ قرآن کی تلاوت کے دوران

صحابہؓ کی کیا کیفیت ہوتی تھی؟ اس بارے میں مشہور مفسر "ابن کثیرؒ" اپنی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں:

"وہ نہ چیختے تھے اور نہ تکلفات سے کام لے کر کسی مصنوعی کیفیت کا مظاہرہ کرتے تھے' بلکہ وہ ثبات وسکون' ادب وخشیت میں اس قدر ممتاز تھے کہ ان صفات میں ان کی کوئی برابری نہ کر سکا۔" (تفسیر ابن کثیر جلد 4 صفحہ 51)

مومن کا دل تلاوتِ قرآن کے وقت جہاں کانپ اٹھتا ہے اس کے ساتھ اس کے دل میں سکون کی کیفیت بھی طاری ہوتی ہے۔ گویا بدن اور دل کے نرم پڑنے کا مطلب اسی سکون کا حاصل ہوجانا ہے' جو رحمتِ الٰہی کے نزول کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت سکون ورحمت کا نزول ہوتا ہے اس لیے اس وقت رحمتِ الٰہی کا امیدوار بننے کے لیے قرآن مجید کو توجہ اور خاموشی سے سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: :

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (سورۃ الاعراف: 204)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار یہی لوگ ہیں جو قرآن مجید کو توجہ سے سنتے ہیں۔ تا کہ اس کے ذریعے ان کے دلوں میں اتر جائے۔

تعارف حدیث

حدیث کے معنی:

قرآن کریم دین فطرت کی آخری اور مکمل کتاب ہے جو حضرت خاتم النبیین ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ ﷺ کو اس کتاب کا مبلغ اور معلم بنا کر دنیا میں مبعوث کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے اس کتابِ الٰہی کو اول سے آخر تک لوگوں کو سنایا' لکھوایا' یاد کرایا اور بخوبی سمجھایا اور خود اس کے جملہ احکامات وتعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر وتشریح ہے۔ اور آپ کے انہی اقوال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ عربی زبان میں لفظ "حدیث" وہی مفہوم رکھتا ہے جو ہم اردو میں گفتگو کلام یا بات سے مراد لیتے ہیں چونکہ حضور ﷺ گفتگو اور بات کے ذریعے سے پیامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے' اپنی تقریر اور بیان سے کتاب اللہ کی شرح کرتے اور خود اس پر عمل کر کے اس کو دکھلاتے تھے۔ اسی طرح جو چیزیں آپ کے سامنے ہوتیں اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے تو اسے بھی دین کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ امور منشاء دین کی منافی ہوتے تو آپ ﷺ ان کی اصلاح کرتے یا منع فرماتے۔ اس لیے ان سب کے مجموعے کا نام احادیث قرار پایا۔

حدیث کی دینی حیثیت:

حدیث شریف کا دین میں کیا درجہ ہے؟ اس کو ذہن نشین کرنے کے لئے حضرت محمد ﷺ کی حسب ذیل حیثیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے' جن کو قرآن پاک نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

1۔ آپ ﷺ کی ذاتِ قدسی صفات میں ہر مومن کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (سورۃ الاحزاب: 21)

ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے یعنی اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

2۔ آپ ﷺ کا اتباع سب پر فرض ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ (سورۃ الاعراف: 158)

ترجمہ: سو ایمان لاؤ اللہ پر اس بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر کہ جو یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر اور اس کی پیروی کرو۔

3۔ جو کچھ آپ ﷺ دیں اس کو لینا اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز رہنا ضروری ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر: 7)

ترجمہ: اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔

4۔ آپ ﷺ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (سورۃ محمد: 33)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور حکم پر چلو رسول کے۔

5۔ ہدایت آپ ﷺ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ (سورۃ النور: 54) ترجمہ: اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد ﷺ نے جس قدر امت کو ہدایتیں دیں جو جو چیزیں ان سے بیان فرمائیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذیل میں جو کچھ ارشاد فرمایا' جن چیزوں کو حلال اور جن کو حرام ٹھہرایا' باہمی معاملات و قضایا میں جو کچھ فیصلہ فرمایا' ان سب کی حیثیت دینی اور تشریعی ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ ؐ کی پوری زندگی امت کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے جس کی اتباع اور پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ ؐ کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے جو آپ ؐ حکم دیں اس کو بجا لانا اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا' ہر مومن کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ آپ ؐ کی اطاعت ہی حقیقت میں حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں تصریح ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورۃ النساء: 80) ترجمہ: اور جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی بات ماننا فرض اور ضروری ہے اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی بات ماننا بھی لازمی اور حتمی ہے۔ ظاہر ہے کہ جملہ احکام دین کے متعلق کلی احکام قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن ان احکام کی تشریح' ان کی جزئیات کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل رسول کریم ﷺ کے اقوال و اعمال اور آپ ؐ کے احوال کے جانے بغیر ناممکن اور محال ہے۔

حدیث کی حفاظت:

قرآن مجید جو دین کی تمام بنیادی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد و احکام کے متعلق کلی ہدایات کا حامل ہے۔ اس کا ہر لفظ لوگوں نے زبانی یاد کیا۔ مزید احتیاط کے لیے معتبر کاتبوں سے خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو لکھوا لیا۔ حدیث شریف جو شرع اسلامی کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات پر حاوی ہے۔ اس کا قولی حصہ صحابہ کرام ؓ نے اپنی قومی عادت اور رواج کے مطابق اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حافظہ میں رکھا کہ جس اہتمام کے ساتھ وہ اس سے پہلے اپنے خطیبوں کے خطبے' شاعروں کے قصیدے اور حکماء کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے اور اس کے عملی حصے کے مطابق فوراً عمل کرنا شروع کر دیا گیا۔

خود حضرت محمد ﷺ نے بھی متعدد مواقع پر ضروری احکام و ہدایات کو قلم بند کروایا۔ ان تحریروں اور نوشتوں کا ذکر معتبر کتب حدیث میں محفوظ ہے۔ لیکن ان کے علاوہ مختلف قبائل کو تحریری ہدایات، خطوط کے جوابات، مدینہ منورہ کی مردم شماری کے کاغذات، سلاطین وقت اور مشہور فرمانرواؤں کے نام اسلام کے دعوت نامے، معاہدات، امان نامے اور اس قسم کی بہت سی متفرق تحریرات تھیں جو حضرت محمد ﷺ نے وقتاً فوقتاً قلم بند کروائیں۔ مشہور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد مدینہ میں بہت سے مسلمانوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا اور پھر کتابت حدیث کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اگرچہ عرب کی قوم اسلام سے پہلے ان پڑھ تھی اور ان میں کسی قسم کی تعلیم کا رواج نہ تھا لیکن ایمان اور اسلام کی بدولت صحابہؓ میں یہ شوق پیدا ہو گیا اور ان میں بہت سے حضرات ایسے تھے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتے تھے حفظ کرنے کے ارادے سے قلم بند کر لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ حضرت محمد ﷺ کی احادیث کو یاد کرنے اور جمع کرنے کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ ان کے پیش نظر حضور ﷺ کا یہ ارشاد رہا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث کو سنا پھر اس کو یاد کیا پھر اسی طرح آگے پہنچایا جس طرح کہ سنا تھا" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تدوین حدیث:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں حدیثیں لکھی تھیں۔ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ خود نبی کریم ﷺ نے بھی بہت سے احکام و ہدایات کو قلم بند کروایا۔ یہ حقیقت خوب واضح ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہو گیا تھا نہ کہ دوسری صدی ہجری میں جیسا کہ مستشرقین کہتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں احادیث نبوی پر مشتمل جو صحیفے لکھے گئے ہمارے پاس ان کا تاریخی ثبوت موجود ہے۔ ان صحیفوں میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا "صحیفہ صادق" بہت مشہور ہے۔ اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ بھی تھا جس میں بہت سے احکام و مسائل درج تھے مگر اس سلسلے میں سب سے بڑی اہمیت صحیفہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے عزیز شاگرد حضرت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ صحیفہ تدوین حدیث کے سلسلہ میں اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ تمام و کمال اسی طرح ہم تک پہنچ گیا ہے جس طرح ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور پھر اس کو مرتب کیا تھا۔ اس صحیفہ کی کھوج کھاج اس طرح لگائی گئی کہ چند سال پہلے دو مخطوطے دستیاب ہوئے۔ ایک برلن میں اور دوسرا دمشق میں جن میں کوئی بھی فرق نہ تھا۔ جبکہ یہ صحیفہ مسند امام احمد میں مکمل طور پر محفوظ ہے۔ نیز اس کی بیشتر احادیث صحیح بخاری کے متعلقہ ابواب میں موجود ہیں۔ اسی طریقے سے عصر حاضر کی تحقیقات نے حضرت محمد ﷺ کے متعدد خطوط و وثائق منکشف کر دیے ہیں جن میں مقوقس مصر اور نجاشی کے نام لکھے گئے دعوت نامے مشہور ہیں۔

تدوین حدیث کا دور ثانی:

بہر حال یہ ایک واقعہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں تدوین حدیث کا آغاز ہوا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر اہل عرب جو ہر چیز کو زبانی یاد رکھنے کے عادی تھے۔ انھیں لکھنا بڑا گراں گزرتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا حافظہ فطرتاً نہایت قوی تھا۔ اور وہ جو کچھ لکھتے تھے اس سے مقصود صرف اس کو ازبر کرنا ہوتا تھا۔ ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی اور صحابہ کرامؓ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے کہ

سن 99 ہجری میں جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ متبرک صحابہؓ سے دنیا خالی ہو رہی ہے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم حدیث نہ اٹھ جائیں۔ چنانچہ آپ نے فوراً تمام ممالک کے علماء کے نام ایک فرمان بھیجا کہ احادیثِ نبوی کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے۔ پس اس حکم کی تعمیل میں کوفہ کے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور شام کے امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف وجود میں آئیں اور وہ اس عہد خلافت کی یادگار ہیں۔ اسی طرح پہلی صدی کے آخر میں کبار ائمہ تابعین نے جمع وتدوین حدیث میں بھرپور حصہ لیا۔

دوسری صدی ہجری میں اس سلسلے کو اتنی ترقی ہوئی کہ احادیثِ نبوی تو ایک طرف صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کے آثار اور تابعین کے فتاویٰ اور اقوال تک ایک ایک کر کے اس عہد کی تصانیف میں مرتب ومدوّن کر لیے گئے۔ ان تصانیف میں سب سے نامور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی "الآثار" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی "موطا" اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی "جامع" ہیں۔ اس صدی میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی تدوین ان احادیث وآثار کی روشنی میں مکمل ہوئی کہ جس پر صحابہؓ اور تابعین کا عمل در آمد چلا آتا تھا۔

تدوین حدیث کا دورِ ثالث:

تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کا ایک شعبہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ محدثین نے طلب حدیث میں دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا اور تمام منتشر اور بکھری روایات یکجا کیں۔ مُستند احادیث علیحدہ کی گئیں۔ صحتِ سند کا التزام کیا گیا۔ اسماء الرجال کی تدوین ہوئی۔ جرح وتعدیل کا مستقل فن بن گیا۔ اسی دور میں صحاح ستہ جیسی بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں۔ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین کی فہرست میں درج ذیل ہے:

صحاح ستہ:

احادیث کی چھ صحیح ترین کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین کی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ صحیح بخاری:	امام ابوعبداللہ محمد ابن اسمٰعیل بخاریؒ	(ف 256 ہجری)
2۔ صحیح مسلم:	امام مسلم بن حجاج بن مسلم قشیریؒ	(ف 261 ہجری)
3۔ جامع الترمذی:	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ	(ف 279 ہجری)
4۔ سنن ابی داؤد:	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ	(ف 275 ہجری)
5۔ سنن النسائی:	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائیؒ	(ف 303 ہجری)
6۔ سنن ابن ماجہ:	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینیؒ	(ف 273 ہجری)

اصول اربعہ:

مندرجہ ذیل چار کتابیں فقہ جعفریہ کے مستند ترین ذخائر حدیث ہیں:

1۔ الکافی۔	ابوجعفر محمد بن یعقوب الکلینیؒ	(ف 339 ہجری)
2۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔	ابوجعفر محمد علی بن بابویہ قمیؒ	(ف 381 ہجری)
3۔ الاستبصار۔	ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ	(ف 460 ہجری)
4۔ تہذیب الاحکام۔	ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ	(ف 460 ہجری)

منتخب آیات

1. يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○ (سورۃ الاحزاب: 71-70)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی کہ سنوار دے تمھارے واسطے تمھارے کام اور بخش دے تم کو تمھارے گناہ اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد۔

تشریح:

ان آیات کے شروع میں دو باتوں یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور درست بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے دین وشریعت کے احکام کی بجا آوری ہے۔ دوسری تاکید یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ درست بات کہے۔ جھوٹ وغیرہ کا اس میں احتمال نہ ہو۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ تمھارے اعمال درست کر دے گا اور اس کے ساتھ ہی آخرت کی مغفرت کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے۔

2. لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب: 21)

ترجمہ: تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

تشریح:

یہاں عام ضابطے کے طور پر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا گیا کہ تمھیں اپنے تمام کاموں میں حضور ﷺ کا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔ گویا حضور ﷺ سب مسلمانوں کے لیے نمونہ ہیں۔ جو شخص اپنی زندگی میں آپ ﷺ کو نمونہ بنا کر جس قدر محاسن اپنے اندر پیدا کرے گا اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو سکتا ہے۔ دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں صرف آپ ﷺ کی ذات کی اتباع، اطاعت اور تقلید سے وابستہ کر دی گئی ہیں۔

3. وَٱعْتَصِمُوا بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ (سورۃ آل عمران: 103)

ترجمہ: اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اس کے احکام پر عمل کرنے کا سب مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی وغیرہ سے منع کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام چھوڑ دیں۔ پھر عداوت، خود غرضی، حسد، کینہ اور بغض جیسی برائیاں پیدا ہو کر مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے کے خلاف کر دیتی ہیں۔

اور اس کے برعکس اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنا راہبر بنائیں اس کے احکام پر عمل کریں تو سب برائیوں کی جگہ محبت، دوستی، اخلاص، مروت، ہمدردی جیسی بھلائیاں پیدا ہوں گی۔

4. اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ (سورۃ الحجرات:13)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

تشریح:

سیاق و سباق کے لحاظ سے آیت کا یہ ٹکڑا اس مقام پر آیا ہے جہاں مسلمانوں کو عیب جوئی اور طعن و تشنیع سے منع کیا گیا۔ بسا اوقات برائیوں کا ارتکاب آدمی اس وقت کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لے اور دوسروں کو حقیر سمجھ لے۔ اس موقع پر ارشاد ربانی کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا چھوٹا بڑا یا معزز یا حقیر ہونا ذات پات یا خاندان و نسب کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ قرآن کی زبان میں جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہے اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ نسب کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں، سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔"

5. اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ (سورۃ آل عمران:190)

ترجمہ: بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔

تشریح:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا ذکر فرما کر عقل مندوں کو اس جہان کے کارخانہ پر غور کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ اس غور و فکر سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔ قرآن غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن غور و فکر ایسا چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو۔ اس کے برعکس ایسا غور و فکر جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے دوری ہو اور انسان یہ سمجھ لے کہ اس جہان کا کارخانہ خود ہی چل رہا ہے۔ ایسے لوگ قرآن کی زبان میں عقلمند نہیں بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی یقین کرے کہ یہ سارا مربوط و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھوں میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر دی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔

6. لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ (سورۃ آل عمران:92)

ترجمہ: ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ۔

تشریح:

عموماً انسان مال و دولت سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس محبت کو کمزور کرنے کے لیے قرآن نے یہ رہنمائی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر مال و دولت میں سے پیاری چیز اس کی راہ میں خرچ کرو تا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے اور اس کے ساتھ ہی یہ یقین پیدا ہو کہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے اسی کی راہ میں خرچ ہونی چاہیے۔

جاہلیت میں لوگ عام طور پر اپنی ذاتی شہرت اور بڑائی کے لیے مال خرچ کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ قرآن مجید نے جہاں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تعلیم دی ہے وہاں ذاتی اغراض کے تمام پہلو رد کر دیے ہیں۔

7. وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر:7)

ترجمہ: اور جو دے تم کو رسولؐ لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو۔

تشریح:

آیت کا مفہوم عام ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کام کرنے کو فرمائیں فوراً کر دو۔ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ یعنی ہر عمل اور ارشاد میں آپؐ کی تعمیل ہونی چاہیے۔ گویا اس آیت میں صحیح اسلامی زندگی گزارنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ برحق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے احکام بیان فرماتے ہیں اور خود عمل کرتے ہیں۔

8. اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ (سورۃ العنکبوت:45)

ترجمہ: بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری باتوں سے۔

تشریح:

آیت بالا کے اس ٹکڑے نے واضح کیا ہے کہ نماز میں ایسی خوبی ضرور ہے جس کے سبب نمازی بے حیائی اور برائی سے بچ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب جسمانی بیماری کی تشخیص ہو جائے اور اس کے لیے مناسب دوا بھی تجویز ہو تو وہ ضرور اثر دکھاتی ہے۔ بشرطیکہ بیمار کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی تاثیر کے خلاف ہو۔ اس اعتبار سے واقعی نماز بھی قوی التاثیر ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ نماز کے اندر چند ایسی خوبیاں ہیں جن کی موجودگی میں آدمی کے لیے جو واقعی نماز خلوص سے پڑھتا ہو ممکن نہیں کہ بے حیائی اور برائی کی طرف جھکے۔

9. وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ (سورۃ الانعام:164)

ترجمہ: اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو وہ اس کے ذمے ہے اور بوجھ نہ اٹھائے گا ایک شخص دوسرے کا۔

تشریح:

قرآن کا دعویٰ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے جو شخص جیسے اعمال کرے گا اچھے ہوں یا برے اس کے مطابق جزا و سزا پائے گا۔ گویا اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے اعمال کی بری سزا۔

10۔ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (سورۃ النحل:90)

ترجمہ: اللہ حکم دیتا ہے انصاف کرنے اور بھلائی کرنے کا۔

تشریح:

آیت کے اس حصہ میں عدل واحسان کا حکم دیا گیا ہے۔عدل کے معنی انصاف کے ہیں یعنی کسی کو اس کا پورا حق ادا کرنا اور احسان یہ ہے کہ کسی سے اس کے حق سے بڑھ کر مروت اور نیکی کرنا اس آیت میں جہاں یعنی دین کے معاملے میں انصاف کرنے کا حکم موجود ہے وہاں سب عقائد اخلاق اور اعمال کے معاملے میں بھی انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔اس پوری آیت میں تمام بھلائیوں کو جمع کیا گیا ہے۔اس لیے اس آیت کی جامعیت کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو خطبہ جمعہ کے آخر میں شامل کر دیا تھا۔جو آج تک جمعہ کے روز خطبہ کے آخر میں پڑھا جاتا ہے۔

11۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ○ (سورۃ الحجر:9)

ترجمہ: بے شک ہم نے خود اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

تشریح:

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ہی وعدہ فرمایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود اس کتاب کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ان شاء اللہ

12۔ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (سورۃ البقرۃ:183)

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیے گئے تم پر روزے۔

تشریح:

اس آیت مقدسہ میں روزے کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔یہ ایسی عبادت ہے جو پہلی امتوں پر بھی فرض رہی ہے۔روزے سے انسان میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔روزہ گناہوں سے بچنے کا عمدہ طریقہ ہے۔یہ انسانی طبیعت میں نیکی کرنے کا ذوق پیدا کرتا ہے اور گناہوں سے نفرت پیدا کرتا ہے۔اس لیے یہ اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔

روزہ ارکان اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ہر سال رمضان کا پورا مہینہ روزے رکھنا ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔روزہ صبر سکھاتا ہے جو قربت الٰہی کا ذریعہ ہے۔

منتخب احادیث

1. إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ اصول کافی (با لفاظ مختلف)

ترجمہ: بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور بے شک انسان وہی کچھ پائے گا جو اس نے نیت کی ہوگی۔

2. إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ (موطا امام مالک)

ترجمہ: بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے تا کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں۔

3. لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین

اور اولاد سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

4. لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

(بخاری۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ سنن دارمی۔ مسند احمد بن حنبل۔ اصول کافی بالمعنیٰ)

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

5. اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

(بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ سنن دارمی۔ مسند احمد بن حنبل۔ اصول کافی)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

6. لَا يَرْحَمُهُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ (مسلم۔ ترمذی۔ مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

7. كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ (ابن ماجہ۔ مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: ہر مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون اس کا مال اور اس کی عزت

8. مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (مسند احمد بن حنبل۔ اصول کافی بالمعنیٰ)

ترجمہ: جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا۔

9. مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ

(بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد بن حنبل)

ترجمہ: جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں کسی راستہ پر لے جاتا ہے۔

10۔ اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ كَالْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِنِ اشْتَكٰى شَيْئًا مِّنْهُ اَلَمَ ذٰلِكَ فِيْ سَائِرِ جَسَدِهٖ

(مسلم۔ ترمذی۔ مسند احمد بن حنبل۔ اصول کافی)

ترجمہ: ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ جیسے ایک جسم' اگر اس جسم کا کوئی حصہ بھی تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ اپنے سارے جسم میں تکلیف محسوس کرے گا۔

11۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ (سیوطی)

ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

12۔ اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

سوالات

1۔ قرآن مجید کے اسماء کون کون سے ہیں؟ پہلی وحی کے نزول کا واقعہ تفصیلاً لکھئے۔

2۔ مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات تحریر کریں۔

3۔ حجۃ الوداع کی تفصیل بیان کریں۔

4۔ مختصر نوٹ لکھیں:

(ا) قرآن مجید کی حفاظت۔

(ب) قرآن مجید کی ترتیب۔

5۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں:

(ا) عہد صدیقی میں قرآن مجید کی جمع آوری اور تدوین۔

(ب) قرآن کا انداز بیان۔ (ج) قرآن مجید کی خوبیاں

6۔ حدیث کے معنی بیان کریں۔ حدیث کی اپنی حیثیت کیا ہے؟

7۔ تدوین حدیث کے تینوں ادوار کا تفصیلی ذکر کریں۔

8۔ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین کے نام مع ان کے سن وفات لکھیں۔

9۔ اصول اربعہ اور ان کے مؤلفین کے نام مع ان کے سن وفات لکھیں۔

10۔ خطبہ جمعہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شامل کردہ آیت قرآنی کی تشریح کیجئے۔

☆☆☆

حکومتِ پنجاب کا ہونہار اور مستحق طلبا وطالبات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے
تعلیمی وظائف کا پروگرام

"آپ اپنی تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ تعلیم ہمارے لیے موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔"
(26 ستمبر 1947ء، کراچی)

بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کا یہ قول ہمارے لیے سنگِ میل بھی ہے اور ہماری منزل کا پتا بھی دیتا ہے۔ ہم جس صدی میں زندہ ہیں اس کو علم کی صدی کہا جاتا ہے۔ جن اقوام نے اپنی معیشت کی بنیاد علم کو بنایا ہے، وہ آج اقوامِ عالم میں سربلند ہیں۔ پاکستان کو اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے حکومت پنجاب نے 2009ء میں پنجاب ایجوکیشنل انڈومنٹ فنڈ کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد ہونہار اور مستحق طلبا وطالبات کو تعلیمی وظائف مہیا کرنا ہے تاکہ پاکستان میں علمی معیشت کی بنیاد رکھ سکیں اور اقوامِ عالم میں سربلند ہو سکیں۔

حکومتِ پنجاب کے اس پروگرام کے تحت 235,000 سے زائد طلبا وطالبات کو 12 ارب روپے کے وظائف مہیا کیے جا چکے ہیں۔ وظائف کا یہ پروگرام اپنی نوعیت کا منفرد اور جنوبی ایشیا کا تعلیمی وظائف کا سب سے بڑا پروگرام ہے۔ حکومتِ پنجاب کا تعلیمی وظائف کا پروگرام ملک کی تعلیمی اور معاشی ترقی میں سنگِ میل ثابت ہوگا۔

میں یہ سمجھتا ہوں صرف تعلیم ہی واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے ہم وطنِ عزیز کو مضبوط، خوشحال اور ترقی یافتہ بنا سکتے ہیں۔ ہم صرف اور صرف تعلیم کی بدولت ہی سماجی، سیاسی اور معاشی ترقی کا سفر طے کر سکتے ہیں۔ میں اپنے طلبا وطالبات سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بابائے قوم کے فرمودات کی روشنی میں حصولِ علم کے سفر کو جاری رکھیں گے۔

شہباز شریف

محمد شہباز شریف
وزیرِ اعلیٰ پنجاب

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ منظور شدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کتب مہیا کرتا ہے۔ اگر ان کتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور املا وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار رہو گا۔

مینجنگ ڈائریکٹر
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-II، گلبرگ-III، لاہور۔

فیکس نمبر: 042-99230679
ای میل: chairman@ptb.gop.pk
ویب سائٹ: www.ptb.gop.pk

Printed by: Maryah Printers Islamabad
sales@maryahprinters.com

Designed By: ART CELL PCTB

امانت دیانت صداقت شرافت

پنجاب
کریکولم اینڈ
ٹیکسٹ بک بورڈ
لاہور

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور